بسم اللہ الرحمن الرحیم

# اسلامی نظامِ حکومت

از

مولانا حکیم ڈاکٹر
محمد نذیر علوی

زہراء (س) آکادمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم
اسلامی نظامِ حکومت
از
مولانا حکیم ڈاکٹر محمد نذیر علوی
زہراء (س) آکاڈمی

| | | |
|---|---|---|
| کتاب | : | اسلامی نظام حکومت |
| مؤلف | : | مولانا حکیم ڈاکٹر محمد نذیر علوی |
| ناشر | : | زہرا(س) اکادمی کراچی پاکستان |
| کمپوزنگ | : | سیدہ روزینہ زیدی |
| گرافک | : | سید رضا حسن رضوی |
| سن طباعت | : | ۱۴۲۳ ہجری |
| تعداد | : | ایک ہزار (۱۰۰۰) |

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## اولین نظر

اللہ تعالیٰ کے رحمت ہی رحمت نام نامی سے۔

اللہ تعالیٰ کی بے پایان حمد وثنا۔

اللہ تعالیٰ کے انتہائی پیارے بندوں، محمد وآل محمد پر نہ ختم ہونے والے درود وسلام۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے زھرا(س) اکادمی کے ارکان ومحققین نے علم وعمل، تحقیق وتفحص، تصنیف وتالیف اور تدریس کے میدانوں میں نمایاں خدمتیں انجام دی ہیں۔

برادر عزیز وار جمند حجۃ الاسلام مولانا ڈاکٹر حکیم سید محمد نذیر رضا صاحب علوی، زھرا(س) اکادمی کے قابل قدر محققین میں سے ہیں۔

انہوں نے بہت سے موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔ان کی تصنیفوں میں سے ایک تصنیف قارئین کرام کی خدمت میں نذر ہے۔

حکومت اسلامی کے موضوع پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے۔اردو زبان میں اس موضوع پر مولانا علوی صاحب کی یہ کتاب اپنی مثال آپ ہے۔

یہ کتاب ایک نئے انداز فکر اور باقاعدہ تحقیقی مطالعہ کا نچوڑ ہے۔اس کتاب

کے مطالعہ سے نہ صرف یہ کہ مولانا کے مطالعات کی گہرائی کا اندازہ ہوگا،

بلکہ،

قارئین کو بھی ''حکومت اسلامی'' کے موضوع پر ایسا پختہ اور تحقیقی مواد حاصل

ہو جائے گا جو جدید فکری رجحانات کے حامل دانشمندوں کے اذہان میں

موجود شبہات کا بآسانی ازالہ کر سکے۔

ادارہ مولانا علوی صاحب کی علمی خدمتوں، خاص طور سے اس علمی ذخیرہ کی

فراہمی پر ان کی خدمت میں خراج تحسین پیش کرتا ہے۔

نیز،

دعا گو ہے کہ

اللہ تعالیٰ ہم سب کو

''جہاد بالقلم''

کے میدان میں ثبات قدم کے ساتھ برسرپیکار رہنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

نیز،

امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے ظہور میں تعجیل فرما کر،

اسلام اور مسلمانوں کو واقعی سربلندی عطا فرمائے۔آمین

زہرا (س) اکادمی

کراچی، پاکستان

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# اسلامی نظام حکومت

اسلام میں جو اصول بنیادی اہمیت کے حامل ہیں نظامِ حکومت انہی میں سے ایک ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ پہنچتے ہی جو سب سے [پہلا کا]م انجام دیا وہ حکومت کی تشکیل تھا۔

چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کے درمیان نظم وضبط قائم کیا مختلف حصّوں میں حکمران بھیجے۔ خود مسلمانوں کے معاملات کے فیصلوں کی ذمہ داری سنبھالی، بڑی بڑی مملکتوں کے بادشاہوں کی جانب اپنے سفیر اور ایلچی روانہ کیئے۔ مختلف قوموں کے سرداروں سے معاہدے کیئے، نیز جنگی معاملات کا ذمہ دار خود اپنے آپ کو قرار دیا۔ مختصر یہ کہ اس چھوٹے سے شہر میں بسنے کے باوجود آپ نے وہ تمام معاملات انجام دیئے جو کسی بھی حکومت کیلئے ضروری ہوتے ہیں۔

ہوتا یوں تھا کہ خداوند عالم کی جانب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حکومت سے متعلق معاملات کے سلسلہ میں آیتیں نازل ہوتی تھیں اور

خود رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس موضوع پر اپنے انتہائی قابل قدر لیکچرز دیا کرتے تھے انہوں نے اس معاملہ کو یہاں پر ختم نہیں کیا بلکہ اپنے بعد کیلئے اپنا جانشین خود ہی مقرر فرمادیا۔

اسلام میں حکومت کا مسئلہ اور حکومت کے خدوخال سے متعلق پیش کردہ اصول وضوابط اسلام کے بالکل ابتدائی دور سے متعلق ہیں لیکن جو نکتہ بہت زیادہ توجہ کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ ماضی میں ان باتوں پر بہت کم گفتگو کی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں بھرپور تحقیق وجستجو سے کام نہیں لیا گیا ہے جسکی بہت زیادہ ضرورت تھی ۔ اس لیئے آج جب کوئی اس موضوع پر بات کرتا ہے تو یہ ایک نئی گفتگو اور اچھنبہ کی بات معلوم ہوتی ہے لیکن یہ سب کچھ بے سبب نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد حکومت اس شخصیت کے ہاتھوں میں نہ رہنے دی گئی جسے اس اہم ذمہ داری کے لیئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے حکم سے تعیین فرمایا تھا۔ یوں خلافت وجانشینی اپنے اصل راستہ سے بھٹک گئی۔ ہوتے ہوتے بات یہاں تک پہنچی کہ حکومت کی باگ ڈور اور خلافت کی کرسی بنی امیہ اور بنی عباس کے قبضہ میں آگئی اور انہوں نے حکومت کی بنیادیں ہلا ڈالیں۔

ان لوگوں نے اپنی حکومت کے لیئے جن ضابطوں پر عمل کرنا شروع کیا وہ ہر لحاظ سے اسلام کے لیئے اجنبی اور اس کے مقرر کردہ ضوابط کے خلاف تھے۔ انہوں نے اُمراء اور حکمرانوں کا ایک ایسا گروہ پیدا کیا جو اسلام کے نظامِ ولایت

سے زیادہ اُس زمانے کے اکاسرہ ایران، نیامرہ روم اور فراعنہ مصر سے مشابہت رکھتے تھے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ بعد کے عہدوں میں بھی یہی طریقے جاری رہے اور مسلمان علاقوں پر وہ نظام مسلط ہو گیا جو اسلام کے خلاف تھا۔[1]

اسی بنیاد پر مسلمان علماء اس موضوع پر مناسب حد تک گفتگو نہ کر سکے پھر انہوں نے یہ بھی سوچا کہ آج کل یہ بحث کوئی عملی اثر تو رکھتی نہیں اس لیئے انہوں نے اس بات کو موضوع سخن بنانے ہی سے گریز کیا۔ ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان اسلام کے اُن احکام وقوانین سے آگاہ نہ ہو سکے جو اسلام نے ان کے اجتماعی اور معاشرتی معاملات سے متعلق معین کیئے تھے اور نہ ہی لوگوں کو اپنے وہ حقوق و فرائض معلوم ہو سکے جو ان معاملات سے متعلق تھے۔

سیدھی سی بات ہے کہ جو لوگ جہل و نادانی کا شکار ہوتے ہیں وہ سڑک اور کھائی میں فرق نہیں کر پاتے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ ذلت کو عزت اور ظلم کو خدمت سمجھنے لگتے ہیں۔

---

[1] مہدی شمس الدین نے اپنی کتاب نظام الحکم والادارہ فی الاسلام میں اس موضوع پر مفصل گفتگو کی ہے۔

ان ادوار کے بعد جب استعمار گروں کی باری آئی تو انہوں نے موقع کو غنیمت سمجھا اور اپنے استعماری مقاصد تک پہنچنے کے لیئے اسلام کو ایک اور ہی انداز سے پہچنوانا شروع کیا۔ وہ انداز یہ تھا کہ اسلام کے پاس مُلک کے نظم ونسق کو چلانے اور معاشرتی اکائی کو منظم کرنے کے لیئے کوئی پروگرام ہی نہیں ہے۔ یعنی وہ مسخ شدہ عیسائیت کی طرح ہے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ فرمایا کرتے تھے کہ ملت پر قیصر کا ایک حق ہے اور وہ یہ کہ اُس کے احکام پر عمل کیا جائے۔ اسی طرح ملت پر خدا کا بھی ایک حق ہے اور وہ یہ کہ عبادت سے متعلق اس کے واجبات کو پورا کیا جائے نیز محرمات سے بچا جائے۔ ضروری ہے کہ دونوں کے حق الگ الگ ادا ہوں۔ ان حضرات کے خیال میں اسلام کی مثال اُس یہودیت جیسی ہے جو یہ طریقہ سکھاتی ہے کہ حکمران اگر دین کے خلاف بھی کوئی حکم دے تو اسکی اطاعت کی جائے۔!!!

ان لوگوں نے اس کام کے لیئے ایک طرف تو علماء دین کے مدرسوں اور ماحول میں کچھ مبلغوں کی تربیت کی ( بالکل اسی طرح جس طرح معاویہ نے اسلام کی طاقت کو توڑنے کے لیئے کچھ ایسے راویوں کی خدمتیں حاصل کر لی تھیں جو آیتوں کی تاویل کر کے اور حدیثیں گڑھ کر اسکی حکومت کی بُنیادیں مستحکم کرتے تھے)۔

تو دوسری طرف انہوں نے تبلیغی اور سرکاری یونیورسٹیوں اور اداروں میں اپنے پہرے بٹھائے اور اپنے مطلب کی کتابیں شائع کیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے سب سے زیادہ نقصان دہ کام یہ کیا کہ اپنے کچھ علماء کو مستشرقیت کی خوبصورت

اصطلاح کے ساتھ سرگرم عمل کیا، اور یہ فریضہ ان کے سپرد کیا کہ وہ اسلام کی حقیقتوں کو مسخ کر کے پیش کریں۔

ان سرگرمیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام لوگ تو ایک طرف، اچھے خاصے پڑھے لکھے اور روشن فکر لوگوں کے سامنے اسلام ایک ایسے انداز میں اُبھرا جو اپنی اصل حقیقت سے قطعاً مختلف تھا اور یہ بات اتنی آگے بڑھ گئی کہ اسلامی دنیا میں بھی دین اور سیاست کی جدائی کا تصور اُبھر آیا۔

بات یہاں تک پہنچی کہ بہت سے سیاسی، اقتصادی، تعزیراتی نیز وہ اصول وضوابط جو مسلمان معاشرے کے نظم وضبط کی برقراری کے لیئے نازل ہوئے تھے، فقہی کتابوں سے حذف ہونا شروع ہو گئے اور اکثر علمی مدرسوں میں عملی طور پر ان کی تدریس چھٹ گئی۔

جی ہاں! استعمار گروں کا کام اس سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ وہ تو حق کو باطل اور باطل کو حق بنا کر دکھا دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ استعمار گروں، انکے مددگاروں اور ان کے نمک خواران نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اسلام کے پاس حکمت ہے ہی نہیں، دین حکومت سے الگ اور حکومت دین کے علاوہ اور اس سے الگ ایک مستقل نظام ہے۔ دین کو بہر قیمت سیاست سے الگ رہنا چاہیئے تا کہ لوگ اُخروی فلاح حاصل کر سکیں۔ پھر مزے کی بات یہ ہوئی کہ کچھ مسلمان بھی انہی لوگوں جیسی باتیں کرنے لگے اور بے شمار آیات اور احادیث یہاں تک کہ نبی اکرمؐ اور امیر المومنین علیہما السلام کی سیرت کی موجودگی کے باوجود کہنے

لگے کہ: جب تک حکومت دین سے الگ نہ ہو اُس وقت تک لوگ اُخروی فلاح نہیں حاصل کر سکتے اس لیئے مسلمانوں کو حکومت کے معاملات میں ہرگز دخل نہیں دینا چاہیئے۔

کیا مسلمانوں کو سیرت نبویؐ کی خبر نہ تھی یا انہوں نے قرآن میں نہیں پڑھا تھا؟ قرآن مجید میں ارشاد ہے :

۱۔ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ ۔ [۱]

اے رسولؐ ! ان کے درمیان اللہ کے نازل کیئے ہوئے حکم کے مطابق حکومت کیجئے۔

۲۔ وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ ۔ [۲]

اور آپ ان کے درمیان اللہ کے نازل کیئے ہوئے حکم کے مطابق حکومت فرمایئے اور انکی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے۔

۳۔ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ [۳]

اور جو لوگ اللہ کے نازل کیئے ہوئے احکام کے مطابق حکومت نہیں کرتے وہ فاسق ہوتے ہیں۔

٤۔ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى [۴]

چنانچہ آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ حکومت کیجئے اور ہرگز

---

۱۔ سورہ مائدہ : ۴۸ ۲۔ سورہ مائدہ : ۴۹ ۳۔ سورہ مائدہ : ۴۷ ۴۔ سورہ ص : ۲۶

نفسانی خواہشات کی پیروی نہ کیجیئے گا۔

۵۔ اِنَّـا اَنزَ لنَا اِلَیکَ الْکِتَابَ بِالْحَق لِتَحکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَا اَرٰکَ اللّٰہُ ۔ ۱؎

ہم نے آپ پر کتاب حق اس لیئے نازل کی ہے کہ آپ لوگوں پر ان حقیقتوں کی روشنی میں حکمرانی کریں جو اللہ نے آپ کو دکھائی ہیں۔

۶۔ "فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤ مِنُونَ حتّٰی یُحَکِّمُو کَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَہُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُ وْا فِی اَنفُسِہِمْ حَرَ جاً مِمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسلِیْماً ۔ ۲؎

''اور آپ کے پروردگار کی قسم یہ لوگ اس وقت تک ایمان لا ہی نہیں سکتے جب تک اپنے جھگڑوں کے درمیان آپ کو حکمران نہ تسلیم کرلیں اور پھر آپ کے فیصلوں کے سلسلے میں ان کے دلوں میں کوئی کھٹک باقی نہ رہے اور وہ انہیں اس طرح تسلیم کرلیں جو تسلیم کرنے کا حق ہے۔''

ان آیات کے علاوہ قرآنِ حکیم میں اسلامی حکومت سے متعلق اور بھی بہت سی آیتیں ہیں خاص طور پر وہ آیتیں جو جنگ، سیاست، جرائم، سزا، معاشرتی معاملات اور انتظامی مسائل سے متعلق احکام بیان کرتی ہیں اور قرآنِ حکیم کے اکثر سوروں میں موجود ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غافل مسلمانوں کے اس گروہ نے ان آیتوں کو پڑھا ہی نہیں۔ کیا یہ سچ ہے کہ ان لوگوں کو نہج البلاغہ کا علم ہی نہیں ہے اور یہ حدیث کی کتابوں کے متعلق کچھ بھی نہیں

---

۱؎۔ سورہ نساء : ۱۰۵ ، ۲؎۔ سورہ نساء : ۶۵

جانتے ہیں؟ کیونکہ ان لوگوں نے اُن بیہودہ اور فضول گفتگو کرنے والوں کو کوئی جواب ہی نہیں دیا!

کتنے افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں نے جب پاکستان، سعودی عرب اور ایران میں قانون لکھنے کی کوشش کی تو انہوں نے شہری قوانین کا اکثر و بیشتر مواد غیروں کے قانون سے حاصل کیا۔

یہ بات بڑی خوش آیند ہے کہ اس دور میں کچھ ایسے سمجھدار، بابصیرت اور سوچنے والے لوگ پیدا ہوگئے جو اسلام کے اُن احکام کے سلسلہ میں بہت گہرے اور محققانہ مطالعات انجام دے رہے ہیں جو معاشرتی مسائل سے متعلق ہیں۔ ان لوگوں نے اپنے مطالعات کے نتیجہ میں یہ بات ثابت کر دی ہے کہ انسانی معاشرے کے نظم وضبط کے سلسلے میں اسلام نے سب سے زیادہ اچھے قوانین پیش کیئے ہیں اور اسلام میں حکومت ایسی بنیادوں پر قائم کی گئی ہے جو اپنے اندر سب سے زیادہ جامع قوانین کو سموئے ہوئے ہیں۔

اب یہ بحث اس دور کے زندہ مسائل میں شمار ہوتی ہے اور یہ گفتگو ایک دلچسپ اور حیات افروز گفتگو کے انداز سے ابھری ہے۔ اس لیئے ہم نے یہ ضروری محسوس کیا کہ اس مسئلہ کے سلسلہ میں مفصل طور پر ایسا مواد پیش کیا جائے جو بنیادی نوعیت کا حامل ہو۔ ہماری اس کوشش کا نتیجہ صاحبانِ علم کے پیش خدمت ہے اور میں اللہ تعالیٰ سے نیک توفیق کا طلب گار رہوں کیونکہ

اس توفیق کو عطا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کچھ نیک بندوں کو اس کام میں ہماری سرپرستی اور تعاون پر مأمور فرمایا جس کے لیئے میں اللہ تعالیٰ کے بعد ان لوگوں کا شکریہ ادا کرنا بھی اپنا دینی فریضہ سمجھتا ہوں۔

میری علمی اور تحقیقی شخصیت کی تشکیل میں میرے سب سے محترم استاد فقیہ بارع حضرت آیۃ اللہ علامہ سید حسین مرتضیٰ نقوی صدر الافاضل مدظلہ العالی کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ انہوں نے مجھے اس راستہ پر ثابت قدم رہنے اور صبر و شکیبائی کے ساتھ اس راستہ کی مشکلوں پر قابو پانے کا سلیقہ سکھایا اور اپنی سخت گرفت کے ساتھ مجھے اس منزل تک پہنچایا کہ میں یہ کتاب آپ کے سامنے پیش کرنے کے قابل ہوا۔

اس کے علاوہ میرے محسنوں اور احباب میں رئیس زہرا (س) اکادمی حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ شبیر حسن میثمی، استاد معظم حجۃ الاسلام والمسلمین شیخ سامی الغریری، حجۃ الاسلام والمسلمین سید غلام عباس رضوی اور حجۃ الاسلام والمسلمین سید ظفر مہدی نقوی کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے کہ ان بزرگوں نے علمی، عملی میدان میں ہر مشکل مرحلہ پر میرا ساتھ دیا۔

اور سب سے بڑھ کر اپنے بزرگ ترین استاد، استاذ الاستاذہ، مفکر وحید حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ علامہ سید ابنِ حسن نجفی مدظلہ العالی نیز استاد معظم، مفسر عظیم الشان حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ شیخ محمد ہادی معرفت مدظلہ کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے جنہوں نے صرف میری فکری و عملی راہنمائی ہی نہیں بلکہ اس کاوش کی

تکمیل میں میری بھرپور ہمت افزائی بھی فرمائی۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ تمام محسنین واساتذہ کو صحت وقوت وسلامتی وتوفیقات اعمالِ صالحہ سے سرفراز فرمائے ۔ آمین

حکیم محمد نذیر رضا علوی

﴿☆☆☆☆☆﴾

# خلاصہ مطالب

# خلاصہ مطالب

گفتگو کے مختلف پہلوؤں کو اچھی طرح واضح کرنے سے پہلے ہم اپنے مطالب کو کچھ ابواب کے ذیل میں بیان کریں گے جن کا خلاصہ یہ ہے:

## پہلا باب:

### حکومت کی تشکیل کی ضرورت

انسان اپنی زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے حکومت کا محتاج ہے اور اسلام کے مقدس دین نے اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا ہے بلکہ اسلام میں حکومت بنانے کی ضرورت کو بہت واضح اور واشگاف انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

## دوسرا باب:

### کیا اسلام میں حکومت انتصابی ہے؟

اس باب میں ہم اس بات پر گفتگو کریں گے کہ اسلام میں حکومت تشکیل دینے کا طریقہ انتخابی ہے یا انتصابی؟

یعنی ہمارا دین خود حکمران کو معین کرتا ہے یا اپنے ماننے والوں کو اپنا حاکم معین کرنے کا اختیار دیتا ہے؟

دوسرے لفظوں میں اس عنوان کے ذیل میں ہماری گفتگو کا موضوع یہ ہوگا کہ اسلام میں حکومت کی بنیاد جمہوریت ہے یا اکثریت کی رائے ہے یا انتصاب یا کسی اور شکل میں ہے؟

## تیسرا باب:

### اسلام کی نظر میں حاکم کا تصور:

یہاں ہم اس بات پر غور کریں گے کہ اگر اسلام نے کوئی حاکم معیّن کیا ہے تو وہ کون ہے اور اس میں کن صفات کا پایا جانا ضروری ہے؟

# باب اول

## حکومت کی تشکیل کی ضرورت

## حکومت کی تشکیل کی ضرورت

حکومت کی اہمیت اور انسانی زندگی میں اس کے کردار کے سلسلے میں زیادہ تر فلسفیوں اور معاشرتی علوم کے ماہروں کا خیال ہے کہ حکومت کی تشکیل ایک ضروری چیز ہے اور انسان نے فطری طور پر اس کی ضرورت کا ادراک کیا ہے.

ارسطو کے نزدیک حکومت ہر انسان کا ایک فطری مطالبہ ہے کیونکہ انسان فطری طور پر ایک معاشرتی اور اجتماعی موجود ہے. جو شخص حکومت کی ضرورت کا قائل نہیں ہے وہ انسان کے فطری روابط کو ویران کر رہا ہے اور وہ خود یا تو جنگلی شخص ہے یا وہ سرے سے انسان کی حقیقت کو جانتا ہی نہیں ہے۔[1]

افلاطون کے نزدیک انسانی معاشرے کے افراد کے لیئے باعزت زندگی کا حصول صرف اس صورت میں ممکن ہے جب حکومت موجود ہو کیونکہ انسان کی فطرت سیاسی زندگی کی طرف جھکاؤ رکھتی ہے اس وجہ سے حکومت اُن فطری امور میں شامل ہے جس سے کوئی بے نیاز نہیں رہ سکتا۔[2]

ابن خلدون نے بھی اس نظریہ کو اختیار کیا ہے۔ انہوں نے اس سلسلے میں انسان کے فطری طور پر معاشرت پسند ہونے کی اصل یا فلسفوں کی اصطلاح

---

1. تفصیل کے لیئے ملاحظہ فرمایئے ارسطو کی کتاب "سیاست"
2. تفصیل کے لیئے ملاحظہ فرمایئے افلاطون کی کتاب "الجمہور"

میں اس کے مدنی الطبع ہونے سے استدلال کیا ہے۔اپنے استدلال سے وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ حکومت کی تشکیل لازمی اور ضروری ہے۔ [1]

بعض محققین کا خیال ہے کہ سیاسی نظام کی بنیاد حکومت کا وجود ہے بلکہ ہر سیاسی نظام معاشرہ کے لیئے حکومت کو لازمی اور ضروری جانتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں نے سیاست کے معنی کو حکومت سے مربوط سمجھا ہے اور وہ حکومت کے بغیر معاشرہ کے وجود کو ناممکن خیال کرتے ہیں۔

اکثر علماء، سیاستدان، اور معاشرتی علوم کے ماہرین یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔انہوں نے اس دعوے کے سلسلے میں بہت سی دلیلیں بھی پیش کی ہیں۔

## ☆ اسلام کا نقطۂ نظر:

حکومت کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر ان سب سے زیادہ بنیادی نوعیت کا حامل ہے۔کیونکہ؟

### ا۔ معاشرہ کی اہمیت:

ایک تو یہ ہے کہ اسلام نے معاشرہ کو اچھی خاصی اہمیت دی ہے اور اس کی جانب مستقل طور پر توجہ مبذول کی ہے۔ذیل میں جو آیتیں پیش کی جارہی ہیں اگر ان پر توجہ دی جائے تو اسلامی نقطۂ نظر سے اس موضوع کی اہمیت واضح ہوجائے گی۔

---

[1] مقدمہ ابن خلدون (اردو ترجمہ) ج: اوّل ، ص ۲۱۹-۲۲۴

"وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ." ۱؎

"بے شک یہ ہے میرا سیدھا راستہ اس لیئے تم اسکی پیروی کرو اور دوسرے راستوں کا پیچھا نہ کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم میں آپس میں جدائی پیدا ہوجائے (اور معاشرہ درہم برہم ہوجائے)۔"

"وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَلَا تَفَرَّقُوْا" ۲؎

"اور تم سب اللہ کی رسی یعنی دین اسلام سے وابستہ ہوجاؤ اور آپس میں تفرقہ بازی اور انتشار پھیلانے سے گریز کرو۔"

ایک اور آیت میں جدائی اور ناچاقی کی برائیاں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ ۳؎

"ایک دوسرے سے جھگڑا نہ کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ست اور کمزور ہو جاؤ اور تمہاری آبرو و حیثیت ختم ہو جائے۔"

ایک اور آیت میں اسلامی معاشرے کے سلسلے میں ارشاد فرمایا ہے۔

"وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" ۴؎

ضروری ہے کہ تمہارے اسلامی معاشرے کے درمیان ایک ایسا گروہ

---

۱؎ - سورہ انعام: ۱۵۳
۲؎ - سورہ آل عمران: ۱۰۵
۳؎ - سورہ انفال: ۴۶
۴؎ - سورہ آل عمران: ۱۰۴

ہو جس کے افراد لوگوں کو نیکی اور بھلائی کی طرف بلائیں نیک کاموں کی طرف ترغیب دیں اور بُرے کاموں سے روکیں اور یہی لوگ تو (جو دوسروں کی ہدایت کا سبب ہیں) حقیقی معنوں میں کامیاب وکامران ہیں۔

"اِنَّ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَهُمۡ وَ كَانُوۡا شِيَعًا لَّسۡتَ مِنۡهُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ" [۱]

"بے شک جنہوں نے اپنے دین میں پھوٹ ڈالی اور دیندار لوگوں کے گروہ کو پراکندہ کیا اور معاشرے کی اکائی کو توڑ کر گروہ گروہ ہوگئے۔ آپ کا نہ تو اُن لوگوں سے کوئی جوڑ ہے اور نہ کوئی تعلق"۔

"اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَةٌ فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَ اَخَوَيۡكُمۡ" [۲]

"بے شک مومن آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں اس لئے (اگر ان میں اختلاف پیدا ہو جائے تو) اپنے دونوں بھائیوں کے درمیان صُلح کروا دیجیے۔"

ان کے علاوہ اس جیسی اور آیتیں بھی ہیں جو متحدہ اسلامی معاشرہ کی تشکیل کا حکم دیتی ہیں اور اُسے مادی اور روحانی کامیابی اور فلاح کی بنیادی شرط قرار دیتی ہیں۔

اسی اصل کی رو سے حج، نماز، جہاد اور انفاق وغیرہ جیسے انتہائی اہم اسلامی احکام معاشرہ کی بنیاد قرار دیے گئے ہیں

---

[۱] ۔ سورہ انعام : ۱۵۹  [۲] ۔ سورہ حجرات : ۱۰

سامنے کی بات ہے کہ ملت کا اتفاق، اتحاد اور معاشرہ کی ساخت حکومت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

## ۲۔ انتظامی اداروں کی ضرورت :

دوسرے یہ کہ قوانین اور قاعدے مادّی اور روحانی سعادت تک پہنچنے کے تمام تر راستوں کی نشاندہی کے باوجود اُس وقت تک بے نتیجہ ہیں جب تک اُن پر عمل نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ قانون پر عمل اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کوئی نافذ کرنے والی حکومت موجود نہ ہو۔ خاص طور سے وہ قوانین جن کا مقصد خالص عقل اور حقیقی سعادت ہو اور جو فکری طور پر افراد کی اُس آزادی کے مخالف ہوں جو شہوت رانی اور لا اُبالیت پر مبنی ہے۔

خداوند عالم نے انبیاء کو اسی وجہ سے بھیجا اور اسی لیئے اللہ نے ایک ایسے انتظامی اور حکمران ادارے کے قوانین کا مجموعہ پیش کیا جس میں قانون نافذ کرنے والے الٰہی نمایندوں یعنی اُولی الامر کی اطاعت کو واجبات میں شمار کیا۔

## ۳۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکومت کا طریقہ کار:

تیسرے خود نبی اکرمؐ کی سنت اور اُن کا طریقہ کار ہے، کیونکہ آنحضرتؐ نے پہلے تو خود حکومت بنائی پھر خود ہی اسلامی قوانین کو نافذ کرنے کی کوششوں

[1] اسلام میں قانون کو نافذ کرنے والی دو چیزیں ہیں: (۱) ایمان جو قانون کے نفاذ میں سب سے اہم کردار ادا کرتا ہے۔(۲) دوسرے حکومت جسکا کردار بنیادی بھی ہے اور قانونی بھی۔

میں سرگرم رہے اور بذاتِ خود اسلامی حکومت کے معاملات کی نگہداشت فرماتے رہے۔

اگر آنحضرتؐ چاہتے تو مدینہ میں اپنے دس سالہ قیام کے دوران فقط اللہ کے احکام و معارف کو بیان کرنے پر اکتفاء کر لیتے اور یوں ان گنت علماء کا ایک گروہ معاشرے کے سپرد کر جاتے۔ لیکن انہوں نے اللہ کے قانون کے مطابق حکومت کی تشکیل اور حکومت کے فرائض کی بجا آوری کو تمام باتوں پر مقدم رکھا نیز اللہ کے فرمان کے مطابق اپنے بعد کے لیئے بھی جانشین معیّن فرما دیا۔

بنیادی طور پر شیعوں اور سنیوں کے درمیان اختلاف کا سبب یہی بات ہے۔ پھر اگر حضرت علیؑ اور ان کے بعد کے تمام امام حکومت سے غیر متعلق رہتے تو فقط یہی نہیں کہ خلفائے ثلاثہ بلکہ اموی اور عباسی حکمران بھی ان کے لیئے روکاوٹیں پیدا نہ کرتے بلکہ یہ لوگ انکی رہبری اور امامت کو مان لیتے اور ان کیلئے تبلیغ کے وسائل بھی مُہیا کر دیتے۔

دراصل اسی بات نے آنحضرتؐ کے لیئے امت کے سامنے حضرت علیؑ کی امامت کے پیغام کو پہنچانے کا کام مشکل بنا دیا تھا۔ اسی لیئے اس پیغام کو پہنچانے کے سلسلے میں تبلیغ کی آیت انتہائی درشت لہجہ میں نازل ہوئی۔ آنحضرتؐ کو انتہائی ناخوشگوار ماحول میں غدیر خم کے تپتے ہوئے میدان میں لوگوں کو جمع کر کے یہ پیغام پہنچانا پڑا۔ خلافت کے چھیننے کے معنی یہی ہیں کہ اُن سے ظاہری حکومت کو چھین لیا گیا ورنہ وہ روحانی اور ذاتی مراتب جو خداوند عالم نے

انہیں عطا فرمائے تھے وہ تو چھینے ہی نہیں جا سکتے تھے۔ یہ بات بذاتِ ہمارے اس دعوے کی بہترین دلیل ہے کہ دینی رہبری کا مرتبہ دنیاوی حکومت سے الگ نہیں ہے۔

چونکہ اللہ کے احکام آنحضرتؐ کے زمانے میں اور امام علیہ السلام کے ظاہر بظاہر موجود ہونے کے ادوار میں منحصر نہیں ہیں اس لیئے جس ضرورت اور سبب کے تحت آنحضرتؐ اور انکے جانشین کے لیئے حکومت کی تشکیل ضروری قرار پاتی ہے، اسی ضرورت اور سبب کے تحت امامؑ کی غیبت کے زمانے میں بھی حکومت کی تشکیل ضروری قرار پاتی ہے۔

## ۴۔ اسلامی قوانین کا انداز :

حکومت کی تشکیل کی ضرورت کے سلسلے میں اسلام میں جو چوتھی دلیل پائی جاتی ہے وہ اسلامی قوانین اور شرعی احکام کا انداز اور انکی وہ کیفیت ہے جو ہمیں اس نتیجہ تک پہنچاتی ہے کہ ان احکام و قوانین کا تعین اسی لیے عمل میں آیا ہے کہ معاشرہ کے اجتماعی، سیاسی، انتظامی، اقتصادی اور ثقافتی ڈھانچوں کو مرتب، منظم اور ہم آہنگ کر کے ان کی نگہداشت کی جائے۔ اپنی اس بات کو زیادہ اچھی طرح سمجھانے کے لیئے ہم ذیل میں کچھ ایسے احکام کے نمونہ پیش کر رہے ہیں جن پر عمل کے نتیجہ میں حکومت کی تشکیل لازمی ہو جاتی ہے:

## ☆ قومی دفاع کے احکام :

اس سے وہ احکام مراد ہیں جو اسلام نے اپنے اجتماعی نظام کی حفاظت، اپنی مملکت کے استقلال اور اُسکی زمینوں کے چپے چپے کے دفاع نیز اُس کی سرحدوں اور چوکیوں کو کفار اور دشمنوں کے حملوں سے محفوظ رکھنے کے لیئے جاری کیئے ہیں۔

آیتوں اور حدیثوں کے مطالعہ سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے ان احکام کو کس قدر اہمیت دی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے مالک اشتر کے نام اپنے عہد نامے میں فوج کو دین کی عزت، عوام کا محافظ اور حکمرانوں کی زیب و زینت قرار دیا ہے نیز ارشاد فرمایا ہے کہ رعیت فوج کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی۔ [1]

امام زین العابدین علیہ السلام نے صحیفۂ کاملہ کی ستائیسویں دُعا میں جو اسلامی مملکت کی سرحدوں کے محافظوں سے متعلق ہے اس سلسلہ میں مسلمانوں اور ان کے حکمرانوں کے فرائض بیان کیئے ہیں حالانکہ اُس زمانے کے حاکم بنی اُمیہ تھے۔

قرآن حکیم میں ایک مقام پر آنحضرت کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ :

"وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ" [2]

ترجمہ : اور ان کے مقابلہ کے لیئے استطاعت بھر قوت تیار کرو۔

---

۱۔ نہج البلاغہ عہد نامہ مالک اشتر ۲۔ سورہ انفال : ۶۰

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے اس مسئلہ کو کس قدر اہمیت دی ہے۔ ملّتِ اسلامیہ کو یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ جس حد تک ممکن ہو سکے وہ اسلحہ اور دفاعی قوت فراہم کرلیں۔ ہر زمانے میں خواہ وہ امن و صُلح کا دور ہی کیوں نہ ہو اس قدر محتاط رہیں کہ دشمن نہ انہیں غافل کر سکے اور نہ ہی اسلامی ملکوں پر حملہ کی جرأت کر سکے۔ پھر اسلام نے دشمن کے حملہ کی صورت میں تمام مسلمانوں پر واجب قرار دیا ہے کہ وہ اسلامی سرزمین اور مملکتِ اسلامی کے استقلال کا دفاع کریں۔

مسلمانوں نے شروع شروع میں جس تیز رفتاری سے آگے بڑھنا شروع کیا اور انہوں نے اپنی ترقی اور اسلامی مملکت کے پھیلاؤ کی جانب جس حیرت انگیز رفتار سے قدم بڑھائے نیز صدر اسلام کے اس آئین سے تمام دنیا میں جو قابلِ ستائش تفوق اور قیادت حاصل کی، اُس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ اس زمانے میں اسکے احکام پر عمل کیا جاتا تھا۔ بعد کے زمانوں میں لوگوں نے حکومتوں کے سربراہوں کی پیروی میں اللہ کے احکام سے منہ موڑ لیا۔ اسکے احکام پر عمل نہ کیا یوں مسلمانوں کے زوال اور انحطاط کا آغاز ہو گیا۔ بات یہاں تک پہنچی کہ مٹھی بھر یہودیوں نے مسلمان شہروں پر تسلط حاصل کرلیا۔ ان کے سب سے پہلے قبلہ مسجد اقصیٰ کو آگ لگا دی۔ فلسطین کی اسلامی مملکت پر زبردستی قبضہ کرلیا اور مسلمانوں کو اُن کے گھروں اور آشیانوں سے نکال کر دربدر کر دیا۔

اگر آج مسلمان اپنی دنیاوی اور اُخروی عزت وسعادت کے خواہاں ہیں تو انہیں اللہ کے احکام کی طرف توجہ دینا اور قرآن کے دستور پر عمل کرنا ہوگا۔ یہی وہ صورت ہے کہ جس کے زریعہ وہ یقیناً اپنی کھوئی ہوئی عزت کو واپس لے سکتے ہیں۔

اسکی جیتی جاگتی مثال مسلمانوں اور اسرائیل کی وہ جنگ ہے جو رمضان المبارک ۱۹۷۳ء میں لڑی گئی۔ اس جنگ کے موقع پر یہ بات واضح طور پر محسوس کی گئی کہ عرب ممالک کے سربراہوں نے اس موقع پر اسلامی تعلیمات کی جانب توجہ دی تھی اور قرآنِ حکیم کے اس حکم پر عمل کیا تھا:

"وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔"

"اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو۔"

"وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ"

"اپنے دشمن کے لیئے امکان بھر اپنی قوتوں کو تیار کرو۔"

چنانچہ انہوں نے اس موقعہ پر باہمی اختلافات اور رنجشوں کو ختم کردیا اور طاقت حاصل کر کے بجلی جیسی تیز رفتاری کے ساتھ دشمن پر فتح حاصل کر لی حالانکہ امریکہ کی بین الاقوامی ملیشیاء نے پوری توانائی کے ساتھ ان کا دفاع کیا تھا اور انہیں ہر قسم کا جنگی ساز وسامان اور مادی مدد فراہم کی تھی۔ حالت یہ تھی کہ اگر اس وقت امریکہ دخل نہ دیتا تو آج دنیا میں اسرائیل نام کا کوئی ملک موجود ہی نہ ہوتا لیکن افسوس اور عبرت کی بات یہ ہے کہ چونکہ اسلامی ملکوں

کے حکمران اسلام پر ایمان نہیں رکھتے تھے اور اسلامی قوانین کو نافذ نہیں کرنا چاہتے تھے اس لیئے نئے سرے سے اختلافات شروع ہو گئے اور جدائی، تفرقہ اور تباہ کاریوں نے ایک مرتبہ پھر سر اٹھالیا۔ ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بدبختی اور تاریکی کے دور نے ایک مرتبہ پھر مسلمانوں کی طرف رُخ کرلیا اور حالت یہ ہوگئی جو ہمارے سامنے ہے۔

## ☆ سزاؤں سے متعلق اسلام کے احکام :

دینِ اسلام میں دیت، قصاص، حدود اور دوسری سزاؤں سے متعلق اس قسم کے بہت سے احکام ہیں جنہیں ایک معین طریقے کے مطابق کسی حاکم کی نگرانی میں نافذ ہونا چاہیئے ۔ یہ احکام اس لیئے بنائے گئے ہیں کہ قوم کے درمیان پیدا ہونے والی برائیوں کو روکا جا سکے۔ ان قوانین پر عمل درآمد کے لیئے ایک حکومتی ادارے کی ضرورت ہے اور کسی شخص کے لیئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ حکومت کی طاقت کے بغیر اُن احکام کو نافذ کر سکے۔

## ☆ مالی احکام:

خُمس، زکوٰۃ، جزیہ، خراج اور مالیات سے متعلق جو بے شمار احکام اس مقدس آئین میں معین کیئے گئے ہیں، فقط فقراء کے کھانے پینے اور روزمرہ ضروریات کے اخراجات سے متعلق نہیں ہیں۔ دراصل ان کا بنیادی مقصد ایک بڑی اور مضبوط حکومت کے اخراجات کی فراہمی اور ضروریات کی تکمیل ہے۔

اسلام نے تمام مسلمانوں پر واجب کیا ہے کہ وہ اپنی تمام آمدنی کا پانچواں (۵/۱) حصہ بیت المال میں جمع کرائیں۔ خواہ یہ آمدنی انہیں کھیتی باڑی کے ذریعہ حاصل ہو یا تجارت کے راستہ سے، زمین دوز ذخیروں کی بنیاد پر حاصل ہو یا اداروں اور کارخانوں کے وسیلے سے۔ اس کے علاوہ اسلام نے تمام زمینداروں اور مویشیوں کا کاروبار کرنے والوں کے لئے ضروری قرار دیا ہے کہ وہ اپنے محصولات کا دسواں یا بیسواں حصہ زکوٰۃ کی مد میں بیت المال کے سپرد کردیں۔

اسی طرح جو مذہبی اقلیتیں اسلامی حکومتوں کی نگرانی میں زندگی بسر کرتی ہیں اور اُنکے انتظامی اور دفتری معاملات سے استفادہ کرتی ہیں اُن پر جزیہ کی ادائیگی ضروری قرار دی گئی ہے۔ یعنی یہ کہ چونکہ یہ لوگ خمس اور زکوٰۃ کی ادائیگی کو ضروری نہیں سمجھتے ہیں اور اس طرح اسلامی حکومت کے ساتھ کوئی مالی تعاون نہیں کرتے ہیں اس لیئے انہیں مجبور کیا گیا ہے کہ ان کے کام کرنے والے پیشہ ور کاشتکار اور مویشیوں کے کاروباری لوگ جزیہ کے ذیل میں معین رقم اسلامی حکومت کے خزانے میں پیش کریں۔

جو لوگ اسلامی حکومت کی ان زمینوں پر کاشت کرتے ہیں جو قومی ملکیت میں داخل ہیں اُن کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ اسلامی حکمران کی صوابدید کے

مطابق زراعت کے محصولات کا کچھ حصہ یا اس سے حاصل ہونے والے تمام فائدے اسلامی بیت المال کے سپرد کردیں۔

یہ بے پناہ دولت اُن معاملات پر خرچ کی جائے گی جو دین کی بہتری سے متعلق ہوں یعنی اس کا ایک بہت مختصر حصہ جو شاید کل رقم کا ملیونواں حصہ بھی نہ ہو، اُن فقراء اور مستحقوں کو دیا جائیگا جو یا تو اپنے کام اور پیشہ کے ذریعے اپنے اخراجات پورے نہ کرسکتے ہوں یا سرے سے کوئی کام کرنے کے قابل ہی نہ ہوں۔ اسی طرح سے اس کا ایک مختصر حصہ علوم کی اشاعت، اسلام کی تبلیغ نیز علمی اور دینی شعبوں کے استحکام کے لیئے استعمال ہوگا اور باقی تمام رقم اُن امور کی انجام دہی میں خرچ کی جائیگی جو اسلام اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود سے متعلق ہیں۔

اس مختصری گفتگو سے یہ معلوم ہوا کہ بیت المال کے اس بے بہا خزانے کا بنیادی مقصد اسلامی معاشرے کے انتظامی، سیاسی اور ثقافتی نظاموں کی تشکیل اور حفاظت ہے۔ کیا اتنے وسیع اور پہلو دار خزانے کی تشکیل اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اسلام، اسلامی حکومت کی تشکیل کو ضروری سمجھتا ہے اور اس نے اس مقصد کے لیئے خزانے اور مالیات کی فراہمی کے راستے بھی معین کردیئے ہیں؟

## ☆ حقوق کی ادائیگی کے احکام :

لوگوں پر ظالموں کے ظلم اور ستمگاروں کے ستم کے مقابلے میں اسلام نے خاموشی اختیار نہیں کی ہے۔ بلکہ اُس نے علماء پر یہ فریضہ عائد کیا ہے کہ وہ مظلوم

قوم کے حقوق کے حصول کے لیئے اُٹھ کھڑے ہوں اور ستمگروں کی نفع جوئی اور لوگوں سے بیگار لینے کے مظالم کا مقابلہ کریں۔ نیز خود خواہ اور خودسر افراد کو قومی خزانے کے بل بوتے پر عیاشی اور فضول خرچی سے روک دیں۔ کیونکہ یہ خزانہ اس لیئے ہے کہ لوگوں کی فلاح و بہبود انکی صحت کی دیکھ بھال اور تمدن و ثقافت کے فروغ پر خرچ ہو۔ اس حکم کی اطاعت اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک ایک حکومت تشکیل نہ دے دی جائے۔

حضرت علی علیہ السلام نے خطبہ شقشقیہ میں اُن اسباب کی نشاندہی فرمائی ہے جن کی بُنیاد پر انہوں نے حکومت کو قبول فرمالیا تھا۔ اسی ذیل میں انہوں نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا ہے کہ :

لَوْ لَا ... وَمَا اَخَذَ اللّٰہُ عَلَی الْعُلَمَاءِ اَلَّا یُقَارُّوْا عَلٰی کِظَّةِ ظَالِمٍ وَلَا سَغَبِ مَظْلُومٍ "[1]

"ان اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ خداوند عالم نے علماء سے عہد لیا کہ وہ ظالموں کی تباہ کاریوں اور شکم پُری نیز مظلوموں کی محرومیت اور بھوک کے مقابلے میں خاموش نہ بیٹھیں۔"

امام علیہ السلام نے سچ فرمایا ہے کہ اس فریضہ کی ادائیگی اُسی صورت میں ممکن ہے جب کوئی نافذ کرنے والی قوت اور نظامِ حکرانی موجود ہو۔ آجکل صورتِ حال یہ ہے کہ مختلف ملکوں میں مسلمان قوموں پر ظالم

[1] نہج البلاغہ خطبہ نمبر: ۳ ۔

حکمران مسلط ہیں۔ان کا یہ تسلط استعمارگر حکومتوں کی پشت پناہی کی وجہ سے مستحکم ہے۔یہ استعمارگر تیل، معدنیات اور ان جیسے دوسرے قدرتی ذخیروں سے اپنے منافع حاصل کرنا چاہتے ہیں۔پھر یہ مسلمان قوموں پر اپنی غیر اسلامی ثقافت اور سیاست نیز غیر عادلانہ اقتصادی نظام ٹھونسنے کے درپے ہیں۔اس لیئے ان لوگوں نے کچھ افراد کو حکومت کی گدیوں پر بٹھا کر ان کے لیے عیاشی کے سامان فراہم کر دیے ہیں۔اس قسم کی فساد آمیز سازشوں کی روک تھام باصلاحیت حکومت کی تشکیل کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

## ☆ حدیث کی نظر میں حکومت کی ضرورت :

اسلام میں نظامِ حکومت کی موجودگی پر ہماری پانچویں دلیل یہ ہے کہ بہت سی معتبر حدیثیں اسلامی حکومت کی تشکیل کو ضروری قرار دیتی ہیں چنانچہ ہم نمونے کے طور پر دو روایتیں آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

۱۔ فضل بن شاذان بیان کرتے ہیں کہ امام رضا علیہ السلام نے اولی الامر کی اطاعت کے وجود کے سلسلہ میں کچھ باتیں بیان کی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں :

" وَمِنْهَا اِنَّا لَا نَجِدُ فِرْقَةً مِنَ الْفِرَقِ وَلَا مِلَّةً مِنَ الْمِلَلِ لَقُوْا وَعَاشُوْا اِلَّا بِقَيِّمٍ وَرَئِيْسٍ لِمَا لَا بُدَّ لَهُمْ مِنْهُ فِى اَمْرِ الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا فَلَمْ يَجُزْ فِى حِكْمَةِ الْحَكِيْمِ اَنْ يَتْرُكَ الْخَلْقَ لِمَا يَعْلَمُ

اَنَّهُ لَابُدَّ لَهُمْ مِنْهُ وَلَا قِوَامَ لَهُمْ اِلَّا بِهٖ ، فَیُقَاتِلُوْنَ بِهٖ عَدُوَّهُمْ وَیَقْسِمُوْنَ بِهٖ فَیْئَهُمْ وَیُقِیْمُوْنَ بِهٖ جُمُعَهُمْ وَجَمَاعَتَهُمْ وَیَمْنَعُ ظَالِمَهُمْ مِنْ مَظْلُوْمِهِمْ ۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"ان اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ ہمیں تاریخ میں کوئی ایسا گروہ اور قوم نہیں ملتی جس نے کسی سرپرست یا سربراہ کے بغیر اپنی زندگی آگے بڑھائی ہو یا دنیا میں زندہ رہ سکی ہو۔ کیونکہ دین اور دنیا کے معاملات کے سلسلہ میں ایسے شخص کا ہونا ناگزیر ہے۔ یہی سبب ہے کہ حکیم ودانا پروردگار کی حکمت سے بعید نظر آتا ہے کہ وہ اپنی مخلوقات کو سرپرست کے بغیر چھوڑ دے۔ پھر یہ اسکی صورت میں اور بھی ناممکن ہے جب اُسے یہ بھی معلوم ہو کہ انکے لیئے ایک ایسے شخص کا وجود ضروری ہے اور اس کے بغیر انکی زندگی برباد ہو جائے گی۔ اس قسم کے سربراہ کی ضرورت اس لیئے ہے کہ قوم اُسکی رہبری میں دشمنوں سے جنگ کرتی ہے۔ اپنی قومی اور عمومی دولت کو عادلانہ طور پر تقسیم کرتی ہے۔ اسی کے ذریعہ جمعہ اور جماعت کی نمازیں قائم کرتی ہے۔ مظلوموں کے حقوق پر ظالموں کی دست درازی کو روکتی ہے۔

۲۔ حضرت علی علیہ السلام نے خطبہ شقشقیہ میں حکومت کے قیام کے سلسلے میں یوں گفتگو فرمائی ہے:

أَمَا وَالَّذِیْ فَلَقَ الْحَبَّةَ ، وَبَرَأَ النَّسَمَةَ ، لَوْ لَا حُضُوْرُ الْحَاضِرِ ، وَقِيَامُ الْحُجَّةِ بِوُجُوْدِ النَّاصِرِ ، وَمَا أَخَذَ اللهُ عَلَى الْعُلَمَاءِ أَلَّا يُقَارُّوْا عَلٰى كِظَّةِ ظَالِمٍ وَلَا سَغَبِ مَظْلُوْمٍ ، لَأَلْقَيْتُ حَبْلَهَا عَلٰى غَارِبِهَا وَلَسَقَيْتُ آخِرَهَا بِكَأْسِ أَوَّلِهَا ، وَلَأَلْفَيْتُمْ دُنْيَاكُمْ هٰذِهٖ أَزْهَدَ عِنْدِیْ مِنْ عَفْطَةِ عَنْزٍ!

"اس خدا کی قسم جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور انسان کو خلق فرمایا! اگر بیعت کرنے والے موجود نہ ہوتے اور ایک پشت پناہ قوت کی موجودگی کے سبب مجھ پر حجت تمام نہ ہوگئی ہوتی نیز اگر خداوند عالم نے علماء سے یہ عہد نہ لیا ہوتا کہ وہ ظالموں کی غارت گری اور پرُخوری نیز مظلوموں کی محرومیت کے مقابلے میں خاموش نہ بیٹھیں گے تو میں حکومت کی باگ ڈور چھوڑ دیتا۔ اس مرتبہ بھی اُسکے ساتھ وہی سلوک کرتا جو اس سے پہلے کرتا رہا تھا۔ یعنی اب بھی میں حکمرانی قبول نہ کرتا اور تم دیکھ لیتے کہ تمہاری یہ دنیا میری نظر میں بکری کی ناک کے بلغم سے زیادہ کم قیمت ہے۔

اچھی طرح غور کیجیے کہ امام ارشاد فرمارہے ہیں کہ باوجود یہ کہ حکومت کا عہدہ کوئی دلکشی نہیں رکھتا تھا پھر بھی چونکہ عالموں سے خداوند عالم کے اُس معاہدہ کے تحت جس میں اللہ نے علماء کی ظالموں کے مقابلے اور مظلوموں کی

---

۱۔ نہج البلاغہ عبدہ ج : ۱ ۔ ص : ۳۷

حمایت کا پابند کر دیا تھا، زعامت اور رہبری کو قبول کرنا حضرت علیؑ پر واجب ہو گیا تھا۔ اس لیئے مجبوراً انہوں نے اس عہدہ کو قبول کیا ورنہ دنیا اور اس کی حکمرانی ان کی نظر میں سب سے زیادہ مہمل چیز تھی۔

دوسرے لفظوں میں امامؑ کے نزدیک حکومت لازمی اور واجبی امور میں سے ہے۔

لیکن ...... !

وہ حکومت ...... ! جس کے ذریعہ حق کا بول بالا ہو اور باطل کی روک تھام کی جا سکے.........

☆☆☆☆☆

# دوسرا باب

## کیا اسلام میں حکومت انتصابی ہے؟

## کیا اسلام میں حکومت انتصابی ہے؟

دنیا کے مختلف معاشرتی نظاموں میں حکومتی ادارے کے سربراہ کے تعین کے لیئے جو طریقے رائج ہیں وہ انتصاب، انتخاب، وراثت، انقلاب، سازش اور پارلیمانی طریقوں میں محصور ہیں۔ لیکن اگر اور زیادہ توجہ سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے فقط دو یا تین طریقے ایسے ہیں جو واقعا حکومت کے کسی نظام کی تشکیل کی بنیاد بن سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر پارلیمانی نظام کو ہی لیجئے جو پارلیمنٹ کے ارکان کے اجتماع سے تشکیل پاتا ہے۔ اس نظام میں حاکم کے تعین کا جو طریقہ رائج ہے وہ دراصل انتخاب ہی ہے۔ اسطرح انقلاب پر غور کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ انقلاب معاشرے کے اس ارادے کے اظہار کا نام ہے، جس میں وہ حاکم کے تعین کے حق کو خود حاصل کر لیتا ہے اور خود ہی اپنی قسمت کا ذمہ دار بن جاتا ہے۔

ہوتا یوں ہے کہ ایک ایسا فرد یا کچھ ایسے افراد یا کوئی ایسا طرزِ حکومت معاشرے پر مسلط ہوتا ہے جو چند افراد کے ارادوں کا مظہر ہوتا ہے۔ اس لیئے معاشرے کی اکثریت اپنے ارادے کو کسی ایک فرد میں منحصر کر کے انقلاب کی کوشش کرتی ہے اور ان لوگوں کو روزمرہ کے معاملات سے علیحدہ کر کے حکومت کے معاملات کی باگ ڈور خود اپنے ہاتھ میں لے لیتی ہے۔ دراصل یہ بھی انتخاب ہی

ہے مگر ایسا انتخاب جس میں غصے اور انتقام کے جذبے بھی شامل ہوں۔

اسلام میں فوجی سازش کے ذریعہ حکومت حاصل کرنے کا طریقہ کوئی پسندیدہ طریقہ نہیں ہے۔ اس طریقے میں جسے انگریزی اصطلاح میں (coupdeta، کودتا) کہتے ہیں، ہوتا یوں ہے کہ ایک گروہ داخلی طور پر حکمران گروہ پر اسکی غفلت کی حالت میں حملہ کر دیتا ہے اور طاقت کے ذریعہ حاکم کو کرسی سے ہٹا کر یا تو حملہ آور خود اس کا جانشین بن جاتا ہے یا کسی اور کو اسکی جگہ بٹھا دیتا ہے۔

اسی طرح اسلام میں حکومت کو غلبہ کے ذریعہ بھی حاصل نہیں کیا جا سکتا! یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی بیرونی حملہ آور طاقت یا لشکر کشی کے ذریعہ کسی معاشرے پر مسلط ہو جائے۔

## اسلام میں حکمران کے تعین کا طریقہ کار :

اسلام میں حکومت کوئی موروثی حق نہیں ہے کہ حاکم کا وارث حکومت کا اہل ہو یا نہ ہو ، وارث ہونے کے باعث حاکم بن بیٹھے۔

اس بنیاد پر اسلام میں حکمران کے تعین کے لیئے دو ہی طریقے رہ جاتے ہیں:

۱۔ انتخاب

یا

۲۔ انتصاب

## ۱۔ انتخاب :

انتخاب کا مطلب یہ ہے کہ لوگ بلاواسطہ یا بالواسطہ اپنی مجموعی رائے سے کسی کو اپنا حکمران تسلیم کرلیں یہ وہی جمہوری طریقۂ کار ہے جو اپنی مختلف شکلوں میں دنیا کے بیشتر علاقوں میں رائج ہے یعنی کسی مُلک کے رہنے والے افراد اکثریت کی بُنیاد پر اپنا سربراہ معین کر لیتے ہیں اور وہ اکثریت کے نمایندہ کی حیثیت سے ملک کے نظم ونسق کی باگ ڈور سنبھال لیتا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اسلام میں حاکم کے تعین کے لیئے انتخابی طریقہ کار تجویز کیا گیا ہے لیکن دراصل یہ طریق کار بھی اسلام کے اصل مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہے۔

اسلام میں مختلف انتظامی، سیاسی اور جنگی معاملات میں شوریٰ کا جو حکم دیا گیا ہے وہ مغربی تصور کے برعکس بعض شرطوں سے وابستہ ہے۔

## ۲۔ انتصاب :

انتصاب کا مطلب یہ ہے کسی کا کسی کی جانب سے معین، مقرر یا نصب ہونا۔ چنانچہ حاکم کے تعین کے سلسلے میں انتصاب کا مطلب یہ ہے کہ اسے کوئی ایسی ہستی منصوب یا معین کرے جو رتبہ اور اقتدار میں اس سے بلند اور بہتر ہو۔

اسلام میں حاکم کے تعین کے سلسلہ میں دراصل اسی طریقۂ کار کو اختیار کیا گیا ہے۔

چنانچہ اسلام میں حاکم کا تعین اللہ جل جلالہٗ خود ہی فرماتا ہے اور وہ اپنے اس تعین، تقرر اور انتصاب کا فیصلہ نبیؐ یا امامؑ کے ذریعہ لوگوں تک پہنچا دیتا ہے۔ چنانچہ لوگوں پر اللہ جل جلالہٗ کے دوسرے احکام کی طرح اس حکم کی اطاعت بھی واجب ہے۔

## دلائل :

اس دعوے کے ثبوت میں جو دلیلیں پیش کی جا سکتی ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں :

☆ ۱۔ اس ذیل میں پہلے مرحلے پر ہمیں جو دلیلیں پیش کرنا چاہیے ہیں وہ آنحضرتؐ کے اُن احکام سے متعلق ہیں جن میں انہوں نے غیبتِ امام کے زمانے میں مسلمان فقہاء کو حکمران قرار دیا ہے اور مسلمانوں پر واجب کیا ہے کہ وہ فقہاء کے احکام کی پیروی کریں۔

لیکن ان تمام دلیلوں کو ہم انشاء اللہ تیسرے باب میں تفصیل سے بیان کریں گے۔

☆ ۲۔ اکثر روشن فکر حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ حکومت کے سربراہ کے تعین کے سلسلہ میں سب سے اچھا اور مثالی طریقہ کار جمہوریت ہی ہے۔ اس کے باوجود آج کے ترقی یافتہ دور میں مختلف ملکوں کے چند روشن فکر ایک نئے نتیجہ تک پہنچے ہیں نیز انقلابی فکر رکھنے والوں کی نظر نے ایک باریک نکتہ تک رسائی حاصل کی ہے۔ اس نتیجہ اور اس نکتہ کی مختصر تشریح یہ ہے :

اگر کسی معاشرے کے اکثر و بیشتر افراد فکری رکود کا شکار ہوں اور ناواقف یا ناخواندہ ہوں تو ان لوگوں کو مثالی سعادت کی منزل تک پہنچانے کے لیئے خود ان افراد کے اندر یعنی ان کے دل ودماغ اور فکر و ضمیر میں ایک انقلابی تبدیلی لانا پڑے گی تاکہ ان کے درمیان جو مہمل اور بیہودہ اعتقادات جڑ پکڑ چکے ہیں وہ ختم ہو جائیں۔ ان کے سوچنے اور سمجھنے کا انداز بدل جائے اور اُن کے معاشرتی تعلقات میں جو غلطیاں پیدا ہو چکی ہیں انکی اصلاح ہو جائے تاکہ معاشرہ کے رگ و پے میں ایک متحرک اور انسان ساز جمہوریت سرایت کر سکے۔

ان لوگوں کا خیال ہے کہ جب تک کوئی معاشرہ اس فکری پسماندگی سے نجات نہ حاصل کرے، مہمل اعتقادات سے کنارہ کش نہ ہو جائے۔ اس کے سوچنے کا انداز نہ بدلے اس وقت تک ایسی صورتحال برقرار رکھنا چاہیۓ۔ یقینی بات ہے اگر ایسے معاشرے کی حکومت کے نظام میں سربراہ کے تعین کے متعلق لوگوں کی رائے کی طرف رجوع کیا جائے گا تو قطعی طور پر انکی اکثریت اُس شخص کے حق میں رائے نہیں دے گی جو اُن کے اِن مہمل عقیدوں اور غلط عادتوں کا مخالف ہوگا۔

اسلام چونکہ ایک انقلابی پروگرام رکھتا ہے اس لیئے حکومت سے متعلق اُس کے معین کردہ ڈھانچے میں اسطرح کی اصلاحی جمہوریت بے معنی قرار پاتی ہے۔

## ☆ منجمد جمہوریت :

جمہوریت کی وہ قسم ہے جس کا مقصد قوم میں تحریک پیدا کرنے اور اس کی تربیت کرنے کے بجائے فقط ملک کا نظم ونسق برقرار رکھنا ہوتا ہے یا یوں کہیے کہ یہ اس بنیاد پر قائم ہوتی ہے کہ جو رسم ورواج معاشرہ میں موجود ہوں انکی حفاظت کرے اور انسانی افراد میں لامحدود آزادی کے احساس کو برقرار رکھے۔

اس صورتِ حال میں بھی عام لوگوں کی رائے کی طرف رجوع کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ ہمارا تجربہ و مشاہدہ یہی رہا ہے کہ اکثر و بیشتر عوام مناسب بصیرت کے حامل نہیں ہوتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک شعلہ بیان مقرر کی تقریر یا چند بظاہر خوبصورت الفاظ اور فقرے انہیں اتنا زیادہ متاثر کردیتے ہیں کہ وہ خطیب کے اشاروں پر عمل کرنا شروع کردیتے ہیں۔ بلکہ بعض تو اتنے زیادہ شہوت پرست ہوتے ہیں کہ کسی خاتون کی ایک دلربا نگاہ پر اپنا عقیدہ ہی بدل ڈالتے ہیں۔ کیا اس طرح کے ایک بڑے طبقہ کی موجودگی میں حقیقی جمہوریت رائج کی جاسکتی ہے؟

یہی سبب ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری دنیا نے ایسی شکل اختیار کرلی ہے جس سے انسانیت اس سے بیزار ہے اور ہم نے زمین کی وسعتوں کو جھلسا دینے والی جہنم میں بدل کر رکھ دیا ہے۔ پھر مزے کی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ اس ترقی یافتہ حکومتوں سے متعلق ہے جو اس دور کی اصطلاح میں متمدن کہلاتی ہیں اور واقعا

لوگوں کی حقیقی رائے پر توجہ دینے کی پابند ہیں۔ اب آپ خود سوچیے کہ ان پس ماندہ ملکوں کی حالت کیا ہوگی جن میں ایک خریدا ہوا شخص ہزاروں ووٹ بھر کر لوگوں کی آنکھوں سے دور چھپے ہوئے بیلیٹ بکسوں میں ڈال دیتا ہے......!؟ یہ وہ صورتحال ہے جو عام طور سے مشرقی ملکوں میں رائج ہے۔

پھر یہ کہ اکثر لوگ سیاست کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ اس لیئے ہوتا یوں ہے کہ مختلف گروہوں کے خود ساختہ آقا اپنی رائے کے مطابق ووٹ بھر کے ان لوگوں کے ہاتھوں میں دے دیتے ہیں اور یہ لوگ یہ سمجھے بوجھے بغیر کہ اُس نے کیا لکھا ہے ؟ ووٹ بیلیٹ بکس میں ڈال دیتے ہیں۔

غالباً انہیں اسباب کی بنا پر خداوند بزرگ و برتر نے قرآنِ حکیم کی بہت سی آیتوں میں اس پس ماندہ ذہنوں والی اکثریت کی مذمت کی ہے۔

اسی سبب سے اسلامی حکومت میں حاکم کے تقرر کا طریقہ وہ نہیں ہے جو اصطلاحی جمہوری حکومت میں رائج ہے۔ بلکہ اسلامی حکومت میں حکمران کے تعین کا طریقہ "انتصاب" ہے۔ اسی لیئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عام لوگوں کی رائے لیئے بغیر اسلامی حکومت کی باگ ڈور سنبھال لی تھی اور اپنے بعد کے لیئے بھی خود ہی حاکم کا تعین کر دیا تھا۔ آنحضرتؐ کے بعد جب یہ طے پایا کہ اُمت کے حکمران کا تقرر لوگوں کی رائے کے ذریعے ہو تو سب نے دیکھا کہ مسلمان قوم کو کتنے اندوھناک مسائل جھیلنا پڑے۔

# تیسرا باب

## حاکم ..... اسلام کی نظر میں !

# حاکم ..... اسلام کی نظر میں !

اس باب میں ہم دو مسئلوں پر گفتگو کریں گے :

۱۔ پہلے یہ کہ اسلام کے نزدیک حکمران کون ہے؟ یعنی اسلام میں کس شخص یا کس قسم کے افراد کو حاکم معین کیا گیا ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ اسلامی حکمران میں کن صفات یا شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

## ☆ حاکم کون ...... ؟

جہاں تک پہلے مسئلہ کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں ہماری گذشتہ گفتگو سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ بنیادی طور پر انبیاءؑ کی بعثت کا مقصد اور اُن کا فریضہ فقط یہ نہیں تھا کہ وہ اللہ کے احکام بیان کر دیں اور انہیں لوگوں تک پہنچا دیں۔ بلکہ احکام کو پہنچانے اور لوگوں کو اللہ کی معرفت کی باتیں بتانے کے ساتھ ساتھ انکی بعثت کا ایک بہت بڑا مقصد یہ تھا کہ لوگ انکے ذریعہ عادلانہ معاشرتی رابطوں کی بنیاد پر نظم وضبط پیدا کریں۔ تربیت حاصل کریں۔ یوں انبیاءؑ کا سب سے اہم فریضہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے احکام اور قوانین کو نافذ کر کے ایک صحیح معاشرتی نظام قائم کر دیں۔ چنانچہ قرآن کی بعض آیات سے واضح طور پر یہ بات

سمجھ میں آجاتی ہے۔ جس میں ارشاد ہے:

"لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ" [1]

"اور ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلیلیں دے کر بھیجا تھا اور اُن کے ساتھ کتاب یعنی قانون اور میزان یعنی انصاف کا طریق کار نازل کیا تا کہ وہ ان کے ذریعہ لوگوں کے درمیان عدل وانصاف کے ساتھ حکمرانی کریں۔

اسی طرح سورہ نساء میں ارشاد ہوتا ہے:

"وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُوْلٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللهِ" [2]

"اور ہم نے ہر رسول کو فقط اس لیئے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم سے اسکی اطاعت کی جائے۔"

کیونکہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے ہر پیغمبرؐ کو حاکم قرار دیا ہے اور لوگوں کو چاہیے کہ وہ انکی اطاعت کریں۔

اور یہ بات واضح ہے کہ اگر پیغمبرؐ کوئی حکم بیان کریں اور ہم اس پر عمل کریں تو یہ خدا کی اطاعت ہوگی۔ کیونکہ بیان کردہ حکم پر عمل خدا کی اطاعت ہے۔ نیز ہم یہ بھی بتا چکے ہیں کہ بہت سی قرآنی آیتیں اس بات کی جانب راہنمائی کرتی ہیں کہ اسلامی حکومت کی تشکیل، عادلانہ اجتماعی نظام کا قیام اور اللہ کے احکام وقوانین کا نفاذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتہائی اہم فریضوں میں داخل تھا۔ بالکل اُسی

---

[1] سورہ حدید: ۲۵
[2] سورہ نساء: ۶۴

طرح جس طرح آنحضرت کی سنت تھی اور حضرت علی علیہ السلام نے ان کے بعد اسی روش کو اختیار کیا تھا۔

آیئے ذرا ان آیتوں پر بھی غور کرتے چلیں۔

۱۔ **یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ**" [۱]

"اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو نیز رسولؐ اللہ اور اُس اولی الامر کی اطاعت کرو جو تم میں سے ہے۔"

اس آیت میں خدا کی اطاعت کے وجوب سے قطع نظر یہ حکم دیا گیا ہے کہ پیغمبر اور اولی الامر کی اطاعت بھی کی جائے نیز اولی الامر سے آئمہ طاہرین علیہم السلام مراد ہیں۔

بالکل اسی طرح جس طرح پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ پیغمبر کی اطاعت نماز پڑھنے کی طرح کے احکامِ الٰہی پر عمل کے علاوہ اور اس سے مختلف چیز ہے۔ کیونکہ ان احکام پر عمل اللہ کی اطاعت ہے۔ پیغمبر اور امام کی اطاعت کا مطلب تو یہ ہے کہ جنگ میں جانے اور ان جیسے دوسرے معاملات یعنی اجتماعی نظام کی برقراری اور ملکی معاملات کی تنظیم کے سلسلہ میں ان کے احکام پر عمل کیا جائے۔

---

[۱] سورہ نساء : ۵۹

پھر یہ کہ ائمہ علیہم السلام پر اولی الامر کے لفظ کا اطلاق خود اس بات کی طرف راہنمائی کرتا ہے کہ امام کو خدا کی طرف سے امتِ مسلمہ پر حکومت کے لیے معین کیا گیا ہے کیونکہ اولی الامر کے معنی ہی بااختیار شخص اور معاملات کی نگرانی کرنے والے و منتظم کے ہیں۔

۲۔ "اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ" [۱]

"بے شک تمہارا ولی اور حکمران فقط اللہ اور اس کا رسولؐ اور وہ صاحبانِ ایمان جو نماز قائم کرتے ہیں اور رکوع کی حالت میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔

اس آیہ کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ "اِنَّمَا" کے کلمے کے ساتھ، جو حصر کا مفہوم ادا کرتا ہے، ارشاد فرما رہا ہے کہ تم پر ولی اور حکمران، میں ہوں، میرے پیغمبر ہیں اور حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ آیت کے سرسری مطالعہ ہی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پیغمبرؐ اور امامؑ کی ولایت وحکمرانی بالکل اُسی انداز کی ہے جس انداز کی ولایت وحکمرانی خدا سے متعلق ہے۔ اس بنیاد پر اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس آیہ کریمہ میں پیغمبرؐ اور امامؑ کو حکومت اور زعامت یعنی حکومت کی سربراہی کا منصب سونپا گیا ہے۔

---

۱۔ سورہ مائدہ : ۵۵

"اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ" [۱]

"نبیؐ مومنین پر خود اُنکے نفوس سے بھی زیادہ مسلط اور حکمران ہے۔"

یہ اور اس جیسی دوسری آیتیں بھی اس مفہوم کی طرف راہنمائی کرتی ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سی حدیثیں بھی اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہیں جن میں سے ایک فضل بن شاذان کی وہ حدیث ہے جسے ہم نے پہلے باب کی پانچویں دلیل کے ذیل میں بیان کیا ہے۔ اس مفہوم اور انہیں دلیلوں کی بنیاد پر حکومت کا منصب عہد نبویؐ میں خود آنحضرتؐ سے متعلق تھا اور آپ کی رحلت کے بعد یہ منصب مذہبی راہنمائی کے ساتھ ساتھ ہر عہد کے امام سے متعلق ہے۔

## ☆ غیبت امامؑ میں حاکم کون ......؟

جہاں تک غیبت کے زمانے کا تعلق ہے جو ہماری گفتگو کا اصل محور ہے یہ منصب امت مُسلمہ کے اُن فقہا اور علماء کے لیئے مخصوص ہے جو معین شرائط پر پورے اترتے ہیں بے شمار روایتیں اس مفہوم کی جانب ہماری راہنمائی کرتی ہیں یہاں ہم اُن میں سے چند حدیثوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

## کچھ جملے نہج البلاغہ سے ......!

حضرت علی علیہ السلام نے حکومت سنبھالنے کے چند روز بعد جو خطبہ، "خطبہ شقشقیہ" کے عنوان سے ارشاد فرمایا تھا اس میں انہوں نے یہ فرمایا ہے کہ :

---

[۱] سورہ احزاب : ۶

ترجمہ: " قسم اس ذات کی جس نے بیج سے پودا نکالا اور روح کو خلق کیا اگر بیعت کرنے والے موجود نہ ہوتے اور مدد کرنے والی قوتوں کی موجودگی کے سبب حکومت کی کرسی پر بیٹھ جانا مجھ پر واجب نہ ہو گیا ہوتا نیز اگر خداوند عالم نے علماء سے یہ عہد نہ لیا ہوتا کہ وہ ظالموں کے ظلم اور شکم پُری نیز مظلوموں کی مظلومیت اور جان لیوا بھوک کے مقابلہ میں خاموش نہیں بیٹھیں گے تو میں حکومت کی باگ ڈور چھوڑ دیتا اور اس کے پیچھے نہ بھاگتا اور تم اچھی طرح دیکھ لیتے کہ دنیا، دنیا کے عہدے اور اسکی سربراہی میرے نزدیک بکری کے بلغم سے بھی زیادہ کم قیمت ہے۔" [1]

اس عبارت کا دوسرا جملہ اپنے دعوے کی دلیل میں پیش کرنا چاہتے ہیں جس میں امام علیہ السلام یہ فرماتے ہیں کہ حکومت کو قبول کرنے کا سبب وہ عہد ہے جسمیں خداوند عالم نے علماء کو اس بات کا پابند کر دیا ہے کہ وہ ظالموں کے ظلم کے مقابلہ میں خاموش نہ بیٹھیں چونکہ امام حکومت حاصل کئے بغیر اس بات پر عمل ناممکن سمجھتے تھے اسلئے آپ نے اس فریضہ کی تکمیل کی خاطر حکومت کی باگ ڈور سنبھال لی۔

چونکہ غیبت کے زمانے میں یہ بات اس طرح واجب ہے جس طرح خود امامؑ کے دور میں واجب تھی۔ اسلیے ہم لوگ کسی قیمت پر ایسا نہیں کر سکتے کہ خاموش

[1] نہج البلاغہ، خطبہ : ۳

بیٹھے یہ نظارہ کرتے رہیں کہ کچھ بکے ہوئے ظالم اور غیر ملکی عوامل اپنے آقاؤں کی مدد سے سنگینوں کے بل بوتے پر قوم کا سرمایہ میلیوں مسلمانوں کے خون پسینے کی کمائی اور قومی خزانوں کو لوٹ کھسوٹ کر لے جائیں اور انہیں اپنی اور اپنے اہالیوں موالیوں کی عیاشی اور آوارگی پر خرچ کریں نیز قوم کو اتنی مہلت بھی نہ دیں کہ وہ ان نعمتوں سے ایک ذرا ہی سا فائدہ اٹھا سکے! بلکہ ہم پر واجب ہے کہ ہم اس ظالمانہ روش کو ختم کردیں۔ ہر اس ظالمانہ حکومت کا سر کچل کر رکھ دیں جو انسانی سعادت کے راستہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔ ظاہری بات ہے کہ یہ کام اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک حق و عدالت کی حکمرانی قائم نہ کی جائے۔ اس لیئے یہ بات مسلم ہے کہ خداوند عالم نے کسی نہ کسی شخص یا گروہ کو اس مقصد کے لئے ضرور معین کیا ہوگا۔ بہت سی روایتوں سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ گروہ مسلمان علماء اور فقہاء کا گروہ ہے۔

## ۲۔ علماء انبیاءؑ کے وارث ہیں:

امام جعفر صادق علیہ السلام سے قداحؒ نے روایت کی ہے۔

**"قال رسول اللہ فی حدیث: انّ العلماء ورثۃ الانبیاء۔ انّ الانبیاء لم یورثوا دیناراً ولا درھما ولکن ورثو العلم فمن اخذ منہ، اخذ بحظ وافر۔"** [۱]

اس حدیث کے تمام راوی ثقہ اور قابلِ اعتماد ہیں اور اس قسم کی روایتوں کو علماء کی اصطلاح میں صحیح کہا جاتا ہے۔

---

۱۔ اصول کافی ج: ۱، ص: ۳۴

یہی حدیث عبارت میں مختصر سے اختلاف کے ساتھ دوسری سندوں سے بھی ہم تک پہنچی ہے جن میں سے ایک ذریعہ ابوالبختری ہیں وہ روایت کرتے ہیں کہ:

"عن الامام الصادق (ع) ان العلماء ورثة الانبیاء" وذلك ان العلماء. لم یورثوا درهماً ولا دینارا واّ نما اورثوا احادیث من احادیثهم فمن اخذ بشیء منه اخذحظاً وافرا"

اس مضمون کی دوسری روایتیں بھی موجود ہیں۔ان روایتوں میں سے پہلی روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے حضور ختمی مرتبتؐ کے واسطے سے اور دوسری روایت میں براہ راست خود امام علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے کہ علماءٔ پیغمبروں کے وارث ہیں اور پیغمبرؐ اپنی وراثت میں مال و دولت کے بجائے علم اور حدیث کو چھوڑ کر جاتے ہیں اس لیئے جو شخص اس میں سے تھوڑا بہت علم بھی حاصل کرلیتا ہے وہ اچھی خاصی جائیداد بنالیتا ہے۔

ہاں! علم اور حدیث سے وہی احکام اور قوانین مراد ہیں جو انبیاءؑ خدا کی طرف سے لوگوں کے لیئے لے کر آتے ہیں۔ان روایتوں میں علماء کے لیئے حکمرانی کے حق اور عہدے کو دو طریقوں سے ثابت کیا جاسکتا ہے۔

☆ ایک طریقہ تو وہی ہے جس کے مطابق پہلے بھی ثابت کیا جاچکا ہے کہ انبیاء دنیوی حکومت اور سربراہی کے عہدے کے حامل ہیں۔اس لیئے علماء ا[illegible]

---

۱۔ اصول کافی ج : ۱ ، ص : ۳۴

کے وارث ہونے کی حیثیت سے اس عہدے کے حامل ہیں یا یوں کہیے کہ اگر کسی شخص کو مطلقاً کسی دوسرے شخص کا وارث قرار دیا جائے تو عام طور سے رائج معنوں کے لحاظ سے وراثت حاصل کرنے والے کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو وراثت چھوڑنے والے کو حاصل تھے۔ چونکہ حکومت ایک عطا کیا ہوا منصب ہے نیز جس نے انبیاءؑ کو یہ منصب عطا کیا ہے اُسی نے علماء کو اُن کا وارث قرار دیا ہے۔ اس لیئے رائج مفہوم کے اعتبار سے کسی کو اس بات میں شک نہیں ہوسکتا کہ یہ منصب علماء کیلئے بھی ثابت ہے۔

☆ دوسرا انداز یہ ہے کہ جس طرح پیغمبرؐ احکام کی اشاعت اور اُن کے نفاذ کے ذمہ دار ہیں اور وہ اس بات کے پابند ہیں کہ الٰہی احکام وقوانین کی بُنیاد پر ایک عادلانہ معاشرتی نظام قائم کریں بالکل اُسی طرح علماء بھی احکام کی اشاعت اور اُن کے نفاذ کے ذمہ دار ہیں۔ ہم پہلے یہ بات بتا چکے ہیں کہ اللہ کے تمام احکام یہاں تک کہ سیاست، اقتصادیات، ثقافت اور عدالت سے متعلق احکام اُس وقت تک نافذ نہیں کیئے جاسکتے جب تک دنیوی حکومت اور سربراہی کی قوت وتوانائی حاصل نہ ہو۔ یوں یہ روایت التزامی دلیل کے انداز سے اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہے کہ حکومت کا عہدہ علماء کیلئے ہے۔

## اعتراضات اور ان کے جواب:

ان روایتوں کے ذریعہ فقہاء کی دنیوی رہبری کے ثبوت پر جو استدلال کیا گیا ہے، اُس پر کچھ اعتراضات بھی ہوتے ہیں۔

☆ ان میں سے ایک اعتراض یہ ہے کہ یہاں علماء سے آئمہ طاہرین علیہم السلام مراد ہیں۔اسی ضمن میں آیۃ اللہ اصفہانی بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ اُس روایت کے حوالے سے جس میں امام علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے کہ ہم علماء ہیں اور ہمارے شیعہ طالب علم ہیں یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان روایتوں میں علماء سے مراد خاص طور سے آئمہ ہی ہیں۔

لیکن اس اعتراض کا جواب ان روایتوں کے سیاق وسباق سے خود ہی واضح ہے اور اگر روایت کے تمام فقروں پر اچھی طرح غور کیا جائے تو یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ یہاں علماء سے فقہاء ہی مراد لیئے گئے ہیں۔کیونکہ قداحؒ کی روایت کے سیاق میں حصولِ علم کی فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے یہ ارشاد ہوا ہے کہ:

"من سلك طريقايطلب فيه عِلماً سلك الله به طريقا الى الجنّه."

"جو شخص علم کے حصول کی خاطر راستہ چلتا ہے اللہ اُس کے لیئے جنت کے راستے کھول دیتا ہے۔"

اس سیاق سے یہ بات پورے طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ یہ فقط اُن لوگوں کے لیئے ہے جو آئمہ کے علاوہ ہیں۔کیونکہ آئمہ کا علم تعلیم کے ذریعہ نہیں ہے نیز حدیث کے آخری حصّہ میں کہا گیا ہے:

"فمن اخذ بشيء منه فقد اخذ حظا وافرا"

''جس نے تھوڑا سا علم حاصل کیا اُس نے بہت کچھ حاصل کر لیا''۔

یہ بات بھی امام کے لیئے زیب نہیں دیتی۔

اس حدیث کے آخر میں ابوالبختری فرماتے ہیں کہ :

" فانظروا علمکم هذا عمن تأخذوه "

''اس لیئے یہ بات ضرور مدنظر رہے کہ جو علم حاصل کیا جارہا ہے وہ کہاں سے حاصل کیا جارہا ہے۔''

ظاہر ہے یہ بات بھی امام علیہ السلام کے بارے میں صحیح نہیں ہوسکتی۔

اس بنیاد پر مضمون بالا کے سیاق وسباق سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ اس روایت میں علماء سے مراد فقہاء ہیں نہ کہ آئمہ طاہرین علیہم السلام۔ نیز اس کی تائید اس بات سے بھی ہوجاتی ہے جو علامہ مجلسی رحمتہ اللہ علیہ نے بحار میں نقل کی ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نے محمد حنفیہ سے کہا کہ :

" یابنیّ تفقّه فی الدین فانّ الفقها ورثة الانبیاء "

فرمایا ! ''بیٹے گہرائی کے ساتھ دین کی سمجھ پیدا کرو کیونکہ فقہا انبیاءؑ کے وارث ہوتے ہیں (اور اگر فقیہ ہوگے تو وارثِ پیغمبر قرار پاؤ گے)۔''

☆ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ نبی وہ شخص ہے جس پر خداوند عالم کی جانب سے وحی نازل ہو اور یہ بات خود بخود ولایت عامہ نیز حکومت و اقتدار کا موجب نہیں بنتی بلکہ جب وہ تبلیغ پر مامور ہوجاتے ہیں یعنی یہ کہ وہ وحی سے حاصل کیئے ہوئے احکام لوگوں تک پہنچانے کے ذمہ دار قرار پاتے ہیں اور

رسول بن جاتے ہیں تب انہیں ولایتِ عامہ حاصل ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا اعتراض کا جواب یہ ہے کہ خارجی طور پر انبیاءؑ کا لفظ جن لوگوں کے لیئے استعمال کیا جاتا ہے اُن میں کے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام اور سب سے آخری اور سب سے کامل شخص پیغمبرؐ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

چنانچہ عبارت میں یہ بات پوری طرح واضح ہے کہ امت مسلمہ کے علماء خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث ہیں ان معنوں میں وارث نہیں ہیں کہ وہ نبیؑ یا رسولؑ تھے۔ چونکہ پیغمبر اسلام نبیؑ اور رسولؑ دونوں تھے۔ لہٰذا جو عالم اُن کا وارث ہوگا حکومت اور رہبری کا حق بھی اُسی کو حاصل ہوگا۔

اس کے علاوہ قرآن کریم میں نبی اکرمؐ کی حکمرانی کا ذکر ہے تو انکی نبوت کے منصب کے حوالے سے یہ بات کہی گئی ہے کہ ارشاد ہوتا ہے۔

"النبی اولٰی بالمومنین من انفسھم" [1]

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنوں پر اُن سے زیادہ اولی بالتصرف ہیں۔"

☆ تیسرا اعتراض یہ ہے کہ علماء علم کی تعلیم دینے اور احکام بیان کرنے کے سلسلہ میں انبیاءؑ کے وارث ہیں۔ اس بُنیاد پر جو چیز وراثت میں حاصل ہوگی وہ وہی ہے جو حدیث میں بیان ہوئی اور وہ چیز یہی علم ہے جس کا دنیوی رہبری اور حکومت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

---

[1] سورہ احزاب : ۶

یہ اعتراض بھی پچھلے دونوں اعتراضوں کی طرح بودا اور قابلِ جواب ہے۔ کیونکہ علم سے شرعی احکام اور معرفتِ الٰہی مراد ہے۔ یہ بھی واضح سی بات ہے کہ اللہ نے احکام انسانوں ہی پر نافذ کیئے ہیں اور یہ احکام قیامت تک کے لیئے ہیں۔ پھر یہ کہ ان کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے انبیاءؑ وراثت میں چھوڑیں۔

اس بنیاد پر اس سے مراد یہ ہے کہ احکام اور خداوند تعالیٰ کی معرفت کی حفاظت کی جائے، انہیں پھیلایا اور عام کیا جائے نیز شرعی احکام کو نافذ کیا جائے۔ چونکہ اسلامی احکام سے مراد خالی عبادات اور معاملات نہیں ہیں اس لیئے واضح طور پر اس کا مطلب یہ ہے کہ احکامِ جزا و سزا اور اسلامی مملکت کا استقلال، لیئے ملک کی سرحدوں کا دفاع، مسلمانوں کے مال و اسباب کی حفاظت نیز زندگی کے تمام مسائل، احکام اسلامی میں شامل ہوتے ہیں۔ چونکہ ان احکام کا نفاذ کسی اقتدار کے بغیر ممکن نہیں ہے لہٰذا ان معنوں میں اب بھی ولایت اور حکومت و رہبری کی تشکیل، وراثت کا لازمہ قرار پاتی ہے۔

☆ چوتھا اعتراض یہ ہے کہ مندرجہ بالا روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ علماء انبیاءؑ سے وراثت حاصل کرتے ہیں لہٰذا اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو چیزیں انبیاءؑ سے متعلق تھیں اور اُن کے بعد باقی رہ گئیں وہ علماء کو منتقل ہو جائیں گی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مملکت اور اقتدار انبیاءؑ کے بعد باقی رہا یا نہیں اور چونکہ ہمیں یہ بات نہیں معلوم اس لیئے ہم یہ کہنے کے قابل نہیں ہیں کہ حکومت

آئمہؑ کے بعد علماء کو ملی !

گذشتہ جوابات کی روشنی میں اس اعتراض کا جواب بالکل واضح ہوجاتا ہے۔ اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ حکومت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی باقی رہی۔ چنانچہ آیات اور روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں۔ اس بات سے قطع نظر اگر صرف حضرت امیر علیہ السلام کے طرز کو دیکھا جائے تو کوئی حکومت یا گروہ کسی کو اپنا رئیس یا حاکم مقرر کیئے بغیر برقرار نہیں رکھ سکتا لہٰذا اس سے بھی یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ پیغمبرؐ اسلام کے بعد بھی حکومت باقی ہے اور حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ حکومت وزعامت علماء کو منتقل ہوگئی ہے۔

## فقہاء پیغمبروں کے امین ہیں !

امام جعفر صادق علیہ السلام سے سکونیؒ کی روایت :

وقال رسول الله : الفقهاء امناء الرسل ما لم يدخلوا في الدنيا. قيل: يا رسول الله ! وما دخولهم في الدنيا ؟ قال: اتباع السلطان.فاذا فعلوا ذلك فاحذروهم على دينكم ۔[1]

اس حدیث میں پیغمبر اکرمؐ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ :

"فقہاء پیغمبروں کے امین اور قابلِ اعتماد ہیں اگر وہ دنیا کی لالچ نہ رکھتے ہوں۔"

[1] ۔ اصول کافی ۔ ج : ۱ ، ص : ۴۶

سوال ہوا کہ دنیا میں داخل ہونے سے کیا مراد ہے؟ آپؐ نے فرمایا: بادشاہوں کی جی حضوری کرنا اور تم جب فقہاء کو یہ کرتے دیکھنا تو اُن سے اپنے دین کو بچانے کی کوشش کرنا۔"

اس روایت کی سند بھی معتبر ہے۔ امانت کا مادہ ,,امن،، ہے۔ جس کا مطلب ہے سکون اور بے خوفی۔ اس عبارت کا مطلب ہے کہ کوئی چیز کسی کے پاس اس لیے رکھی جائے کہ وہ اعتماد کے قابل ہے۔ یہ چیز کبھی مال کی صورت میں ہوتی ہے اور کبھی علم کی صورت میں۔ جس کے پاس امانت رکھوائی جاتی ہے وہ امین کہلاتا ہے لیکن امین پر دو احکام لاگو ہوتے ہیں۔ اوّل یہ کہ جو چیز اس کے پاس رکھوائی گئی ہے وہ اسکی حفاظت کرے۔ دوسری یہ کہ صحیح وقت پر وہ چیز اس کے اہل تک منتقل کر دے۔

اس روایت میں پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ فقہاء پیغمبر کے امین ہیں یعنی جو امانت اُن کے پاس موجود ہے وہ انہیں پیغمبرِ اسلام سے علم اور احکامِ الٰہی کی صورت میں ورثے میں ملی ہے۔ اس بنیاد پر فقہاء پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ ان احکام کی حفاظت کریں۔ انہیں لوگوں تک پہنچائیں اور لوگوں پر ان کو نافذ بھی کریں۔

چونکہ شرعی احکام صرف عبادات اور معاملات میں منحصر نہیں ہیں بلکہ ان میں وہ سیاسی احکام بھی شامل ہیں جو اس بات سے تعلق رکھتے ہیں کہ معاشرے کا

نظم وضبط برقرار رہے اور معاشرے میں ایک عادلانہ نظام قائم ہو اس پر اگر کوئی عالم چاہے کہ وہ اپنی امانت کا حق ادا کرے تو اس کے لیے سوائے اس کے کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے کہ وہ حکومت اور اقتدار حاصل کر کے یہ کام سرانجام دے۔

بالکل اسی طرح جس طرح علم کے حاصل کرنے کی ضرورت سے متعلق فضل بن شاذان کی روایت میں آٹھویں امام علیہ السلام نے اس کے اسباب بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ :

''بہت سے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ اگر قوم کیلئے ایسا امام نہ معین کیا جائے جو اس بات کا خیال رکھے کہ نظم اور ضبط نہ بگڑنے پائے وہ خدمت گذار بھی ہو اور وہ اس امانت کا نگہبان ہو جو اس کو سونپی گئی ہے تو دین فرسودہ ہو جائے گا۔ آئین معطل ہو جائے گا۔ لوگ اسلام کے نافذ کردہ قوانین سے منحرف ہو جائیں گے۔ بدعتی لوگ اپنے مطلب کی چیزیں اس میں ڈال دیں گے۔ بے دینوں کو اس میں اپنی پسند کے مطابق کاٹ چھانٹ کا موقع مل جائے گا۔ پھر وہ لوگ دین کو مسلمانوں کے سامنے ایک نئی طرز کا بنا کر پیش کریں گے۔

حدیث کے آخر میں یہاں تک وارد ہوا ہے کہ یہ تبدیلی تمام بشریت کے لیئے باہمی فتنہ وفساد کا موجب ہوگی۔ اس بنیاد پر وہ فقیہ جو امین ہے اس کے لیئے ضروری ہے کہ وہ حکومت تشکیل دے تا کہ وہ اپنی امانت کا پورا حق ادا کر سکے۔

اسی سلسلے میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ :

"اگر عالم بادشاہ کا فرمانبردار ہو جائے تو لوگوں کو چاہیئے کہ وہ اس سے اپنے دین کو بچائیں۔"

ظاہر ہے کہ اسکی وجہ یہ ہے کہ جو عالم حاکم بننے والا ہے وہ اگر بادشاہ کا فرماں بردار بن جائے گا تو وہ خیانت کرے گا اور امین نہیں کہلائے گا کیونکہ اُس نے علم کی حفاظت نہیں کی۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہہ لیجیئے کہ جو عالم اس امانت کو اپنے کاندھوں پر بوجھ سمجھ کر جھٹک دے اس پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے۔

مندرجہ بالا عبارت میں جو استدلال کیا گیا ہے وہ بعض فقہا کے اس اعتراض کے جواب میں ہے کہ جو امانت فقہاء کو دی گئے ہے وہ فقط احکام شرعی ہیں۔ اس صورت میں روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ علماء کو فقط فتویٰ کا حق حاصل ہے اور اس سے حکومت کا کوئی ربط ظاہر نہیں ہوتا لہٰذا اب اس اعتراض کے جواب کو دہرانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

## ۴ ۔ علماً پیغمبروں کے خلیفہ ہیں :

شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے چار سندوں سے ایک حدیث بیان کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ حضرت امیر علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرمایا کہ آپؐ نے فرمایا :

**" قال: اللّٰهم ارحم خلفائی، اللّٰهم ارحم خلفائی، اللّٰهم ارحم خلفائی. قیل: یارسول الله! من خلفائكَ؟ قال: الّذین یاتون من بعدی ویروون حدیثی وسنتی فیعلمونها الناس من بعدی "** [1]

ترجمہ : " اے خدا، میرے جانشینوں پر رحمت نازل فرما۔ آپ نے یہ بات تین مرتبہ دھرائی۔ پوچھا گیا یارسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے جانشین کون ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: میرے بعد آنے والوں میں سے وہ لوگ جو میری حدیث اور سنت کی روایت کریں گے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیں گے۔"

یہ روایت فقیہ کی حکومت کے سلسلہ میں دو طریقوں سے دلالت کرتی ہے پہلی یہ کہ" الذین یاتون ...... " سے فقہا مراد ہیں۔ دوسرا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ بننے کا اطلاق فقیہ پر ہوتا ہے اور اُن پر حکومت کی تشکیل لازم ہے۔ روایت میں "فیعلمونها الناس" کی موجودگی اس بات کی وضاحت ہے کہ اس جملے سے مراد فقیہ ہی ہیں۔ کیونکہ اس جملے کے معانی یہ ہیں کہ وہ لوگوں کو احکام اسلامی سکھائیں گے۔ اسلام کے احکام لوگوں تک پہنچائیں گے اور لوگوں کو اس

---

[1] معانی الاخبار ص ۳۷۴ ۔ ۳۷۵

بات پر آمادہ کریں گے کہ وہ اسلام کی تربیت حاصل کریں۔ تا کہ وہ اسے مزید دوسرے افراد تک پہنچا ئیں۔ یقیناً یہ کام علماء اور فقہاء کا ہے نہ کہ راوی حدیث کا جو حدیث کو اسطرح سے یاد کر لیتا ہے جیسے ٹیپ ریکاڈر میں آواز، اس بات سے قطع نظر کہ جو حدیث میں بیان کیا گیا ہے اسے اس میں سے کچھ سمجھ بھی آیا ہے یا نہیں؟

اور اگر یہ جملہ نہ ہوتا پھر بھی یہی نتیجہ نکلتا کہ اس سے مراد علماء ہیں کیونکہ اس عبارت کا مطلب احکام الٰہی ہے۔ چونکہ یہ احکام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وارد ہوئے ہیں لہٰذا سنت کہلاتے ہیں۔ اس بنیاد پر اس روایت کے معانی یہ ہیں کہ میرا خلیفہ وہ ہوگا جو میرے بعد میری احادیث اور سنت کو لوگوں تک پہنچائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ احکام الٰہی کی نشر و اشاعت، حدیثوں کے نقل کرنے کے علاوہ ہے اور وہ اس بات پر موقوف ہے کہ احکامِ الٰہی کو روایتوں کے ذریعے سمجھا جائے اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ اجتہاد کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں۔ لہٰذا دونوں طریقوں سے یعنی ''فیعلمونها الناس'' ہو یا نہ ہو یہ عبارت اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے مراد علماء اور فقہاء ہیں۔

جہاں تک عام لوگوں کا تعلق ہے تو اُنکی نظر میں خلیفہ وہ شخص ہے جسے کسی نے اپنے ایسے عہدے میں جانشین بنایا ہو جو کسی کو منتقل کیا جا سکے۔ اس بات سے واضح ہوتا ہے کہ یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ حکومت کی تشکیل فقیہ کے

لیئے ضروری ہے۔ کیونکہ آنحضرتؐ کے ان ذاتی اور روحانی تناسب کے علاوہ جوانہیں پروردگارعالم کی جانب سے خاص طور سے عطا ہوئے تھے نیز جو دوسروں کو نہیں دیئے جاسکتے تھے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے اہم منصب دنیاوی حکمرانی اور رہبری تھا۔لہٰذا اگر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی قیدوشرط کے بغیر ارشاد فرمائیں کہ فقیہ میرے خلیفہ ہیں تو فوری طور پر جو بات سمجھ میں آئے گی وہ یہ ہے کہ فقیہ حکومت اور ریاست حاصل کرنے کے سلسلے میں میرے جانشین ہیں۔

دوسرے لفظوں میں یہ امر مسلّم ہے کہ تمام فرقوں نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ اسلامی حکومت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ کا وہ مسلّم حق ہے جو اس کو سپرد کیا گیا ہے۔اسی سبب حضرت ابوبکر کے حاکم بن جانے کے بعد لوگوں نے انہیں خلیفہ کہنا شروع کیا اور بنی امیہ اور بنی عباس کے بادشاہوں نے جب اقتدارِ دنیوی حاصل کرلیا تو وہ لوگ اپنے آپ کو خلیفہ رسولؐ کہنے لگے۔

اسی بنیاد پر پیغمبرِ اکرمؐ جب یہ فرماتے ہیں کہ خلفاء اور فقہاء میرے جانشین ہیں تو مسلّم طور پر یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ یہاں حکومت کا قیام فقہا کے واجبات میں سے ہے نیز اس بات سے انکار ناممکن ہے کہ یہ بات اسی لیئے کہی گئی ہے کہ حکومت و رہبری فقہاء کے سپرد کردی جائے۔ آیہ کریمہ میں جو یہ ارشاد ہے :

**"یا داودُ اِنّا جعلناك خليفةً فی الارض فاحكم بين الناس"** [1]

یہ اس بات کی بہترین دلیل ہے کیونکہ اس آیت میں خداوندتعالیٰ نے لوگوں پر حکومت کو داودؑ کے زمین پر خلیفہ ہونے کا لازمی نتیجہ، اسکی شاخ نیز اس کا واضح مطلب فرض کیا ہے اور یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اب جبکہ تم حکومت کررہے ہو تو اپنی خواہشوں کی پیروی نہ کرو۔

ایک اور بات جو ہمارے موقف کی تائید کرتی ہے یہ کہ راوی نے نہ تو خلافت کے معنی پوچھے ہیں اور نہ ہی یہ بات پوچھی ہے کہ خلیفہ کن معانی میں ہوگا۔ بلکہ سوال یہ پوچھا کہ خلفاء کون ہیں۔ چنانچہ حضرت نے فرمایا کہ علماء میرے خلیفہ ہیں۔

اوپر کی روایت سے ہم نے جو استدلال کیا ہے اس پر ایک اعتراض یہ بھی کیا گیا ہے کہ اس روایت کے دو پہلو ہیں اور ان دونوں پہلوؤں کی بنیاد پر نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ علماً فقط احکام کی تبلیغ میں انبیاءؑ کے جانشین ہیں اور اس جانشینی کا حکومت کے منصب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں پہلی بات یہ ہے کہ علماً نبی اور پیغمبر کی نبوت اور پیغمبری کے منصب کی وجہ سے اُن کے جانشین ہیں۔

---

[1] ۔ سورہ ص : ۲۶

اس بات کو بجا طور پر اس مثال کے ذریعہ سمجھایا جاسکتا ہے کہ اگر کسی جماعت کا امام سفر کے موقعہ پر کسی شخص کو اپنا خلیفہ قرار دے تو کیا اسکی جانشینی سے نماز پڑھانے کے علاوہ کوئی اور بات بھی مراد ہوگی؟ یا اگر کوئی تاجر کسی خاص دن کے لیئے کسی کو اپنا جانشین بنائے تو کیا اس کی نیابت میں تجارتی معاملات کے علاوہ کوئی اور معاملہ بھی شامل ہوگا؟۔

اسی بنیاد پر اگر ایسا پیغمبر جو اللہ کی طرف سے لوگوں کے لیئے احکام لے کر آئے اور وہ یہ کہے کہ فقہا میرے خلیفہ ہیں تو اس عبارت سے اس سے زیادہ مفہوم نہیں لیا جاسکے گا کہ ان کی جانشینی احکام بیان کرنے کے سلسلے میں ہے۔

دوسرے یہ کہ خلیفہ کے تعین کے سلسلے میں فرمایا، یہ وہ لوگ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور احکام کو لوگوں تک پہنچائیں گے۔

اوّلاً اس اعتراض کا جواب خود اسی گفتگو سے ظاہر ہے کیونکہ پیغمبر نے علماء کو خود اپنی ذات کا جانشین مقرر فرمایا ہے اور یہ جانشینی پیغمبر کی پیغمبری اور نبوت کے اعتبار سے نہیں ہے کیونکہ ارشاد فرمایا ہے :

"اللھم ارحم خلفائی"

"پروردگار میرے جانشینوں پر رحم فرما۔"

دوسرے یہ کہ احکام کی نشر و اشاعت اور اُن کا اجراء حکومت کی قدرت اور طاقت کے بغیر ناممکن ہے۔ کیونکہ احکام میں وہ احکام بھی شامل ہیں جو سیاست اور ریاست یعنی مملکت کے نظم ونسق سے متعلق ہیں۔

نیز یہ کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے اہم کام اجتماعی مسائل کو حل کرنا اور معاشرے کے لیئے ایک عادلانہ نظام کا قیام تھا اور اسکی اہمیت، احکام بیان کرنے سے زیادہ ہے۔ایسا نہ ہو تب بھی ہمیں یہ کہنا پڑے گا کہ یہاں منصبوں کے بجائے فقط ایک ہی منصب مراد ہے اور یوں ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ اس مقام پر حکومت ہی کے منصب کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔

چوتھے یہ کہ حدیث کا یہ ٹکڑا جو "**الّذین یاتون من بعدی**" سے شروع ہوا ہے امت کے لیئے جانشینی کی شرح نہیں اور نہ ہی اس حصہ میں اس چیز کی نشاندہی کی گئی ہے جس میں جانشینی سپرد کی جارہی ہے۔

(مصنف اس مقام پر یہ سمجھانا چاہ رہے ہیں کہ اس فقرے کی بنیاد پر اعتراض کہ اس سے علماء کے فرائض کا تعین مراد ہے ایک غلط فہمی کی بنیاد پر پیدا ہوا ہے۔وہ غلط فہمی یہ ہے کہ حدیث کا یہ حصہ خلفاء رسولؐ کے فرائضِ منصبی کی تشریح کر رہا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اس حصہ میں آنحضرتؐ نے خلفاً کی صفت بیان کی ہے کیونکہ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کے خلفاً کون ہونگے اس سوال کے جواب میں حدیث کے اس حصے کے ذریعے آنحضرتؐ نے اپنے خلفاً کی تین صفتیں بیان کی ہیں۔

☆ ایک تو یہ کہ وہ لوگ میرے بعد ہوں گے

☆ دوسرے یہ کہ وہ لوگ میری حدیث اور سنت کی روایت کریں گے

☆ یہ کہ وہ لوگوں کو دین کی تعلیم دیں گے۔

یہ تینوں باتیں رسولؐ کے جانشینوں کی صفات میں فرائض بنے ہیں۔ گویا مطلب یہ ہے کہ میرے جانشین یعنی میرے بعد امت مسلمہ کی حکمرانی کے مستحق فقط وہی لوگ ہونگے جو تینوں صفتوں کے حامل ہوں)۔

جو نئے نئے اجتماعی مسائل درپیش ہیں انکے بارے میں کس طرف رجوع کیا جائے؟

ایک روایت میں اسحاق بن یعقوب فرماتے ہیں :

**"سألت محمدبن عثمان العمری ان یوصل لی کتاباً قد سألت فیه عن مسائل أشکلت علی فورد التوقیع یعظ مولانا صاحب الزمان علیه السلام: امّا ما سألت عنه ارشدك الله وثبتك ......الٰی ان قال......: واماالحوادث الواقعه فارجعوا فیها الی رواة حدیثنا فانهم حجتی علیکم واناحجة الله "** [1]

ترجمہ: "اسحاق نے حضرت ولی عصر جن پر ہماری روحیں قربان ہوں کی خدمت میں ایک خط لکھ کر اُن مشکلات کے بارے میں سوال کیا جو انہیں پیش آرہی تھیں۔ یہ خط جناب محمد بن عثمان نے (جو امام علیہ السلام کے دوسرے نائب خاص تھے) حضور مبارک تک پہنچایا اور امام علیہ السلام کی تحریر مبارک میں اس کا جواب صادر ہوا۔

---

[1] صدوقؒ در کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ ص: ۴۳۹، ج:۲۔ وطبرسیؒ در احتجاج ص:۵۴۲، ج:۲

اُن مشکلوں میں سے ایک مشکل یہ تھی کہ جو نئی نئی مشکلات پیدا ہو رہی ہیں اس کے بارے میں کس سے پوچھا جائے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا:

"نئے نئے حادثوں اور پیش آنے والی مشکلات کے سلسلے میں علماء سے رجوع کرو کیونکہ وہ تمہارے اوپر میری حجت ہیں اور میں خدا کی حجت ہوں۔"

شیخ انصاری اپنی کتاب مکاسب میں فقیہ کی ولایت کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ اس روایت میں روزمرہ پیش آنے والی مشکلات سے مراد شرعی احکام نہیں ہیں۔ کیونکہ اس امر کی وضاحت شیعہ مذہب میں صاف طور سے موجود ہے کہ شرعی مسائل کے سلسلے میں فقہا ہی سے رجوع کیا جائے۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اجتماعی مسائل اور پیش آنے والی وہ مشکلات ہوں جن کے بارے میں عاقل اور ایمان دار لوگ اپنے حاکم سے رجوع کرتے ہیں۔ امام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایسے تمام امور کے سلسلے میں فقہاء سے رجوع کرو۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ فقہاء کو مسلمانوں پر حاکم اور رئیس مقرر فرمایا ہے نیز مملکت کے تمام کاموں کے سلسلے میں اجتماعی نظام کے مربوط کرنے کے لیئے اُن سے رجوع کرنے کو کہا گیا ہے۔

اس کے بعد شیخ نے ان لوگوں کا جواب دیا ہے جو اس شبہ کا اظہار کرتے ہیں کہ یہاں پیش آنے والے واقعات کے احکام کے سلسلے میں فقیہ سے رجوع کا حکم ہے۔ ان کے جواب میں شیخ نے فرمایا ہے کہ یہ شبہ تین زاویوں سے ناقابلِ قبول ہے۔

☆ پہلے یہ کہ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ پیش آنے والے واقعات کے سلسلے میں فقہا سے رجوع کرو، یہ نہیں فرمایا کہ اس سلسلے میں اُن کے حکم کو جاننے کے بارے میں رجوع کرو اور ان دونوں عبارتوں اور ان کے مفہوم میں فرق ہے۔

☆ دوسرے یہ کہ اس سے مراد یہ ہوتی کہ پیش آنے والے معاملات کے حکم کے سلسلے میں فقیہ سے رجوع کریں تو چاہیئے یہ تھا کہ اس کا سبب یہ بتایا جائے کہ فقہاء تم پر خدا کی حجت ہیں، حالانکہ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ میری حجت ہیں اور میں خدا کی حجت ہوں۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام علیہ السلام کے اس بیان سے مراد یہ نہیں ہے کہ شرعی احکام کے سلسلے میں فقہاً سے رجوع کیا جائے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اجتماعی کام فقہاء کی نگرانی اور ان کی سربراہی اور سرپرستی میں انجام پائیں۔

☆ تیسرے یہ کہ اسحاق نے اپنے خط میں نائب امام کے ذریعے امام علیہ السلام سے وہ مسائل پوچھے تھے جن کا حل اُن کو نہیں مل سکا تھا اور شرعی احکام میں فقیہ سے رجوع کرنے کا معاملہ بالکل واضح اور صاف ہے، اس لیئے اس کا پوچھنا بے معنی اور مہمل بات ہے۔ اس نقطۂ نظر سے بھی پوری متانت اور اطمینان کے ساتھ یہ بات کی جا سکتی ہے کہ یہاں فقیہ سے رجوع کا مطلب احکام پوچھنے کے بجائے اس کی حکمرانی اور قوت نافذہ کی حیثیت سے ہے۔

## علماء فرماں روائی پر مقرر ہیں:

۶۔ عمر بن حنظلہ سے روایت ہے کہ :

سألت اباعبدالله (ع) عن رجلين من اصحابنا بينهما منازعة فی دین اومیراث فتحاكما الَی السلطان و الی القضاۃ۔ أيحل ذلك؟ (قالؑ): من تحاكم اليهم فی حق اوباطل فانما تحاكم الی الطاغوت ومايحكم له فانمايا خذ سحتاء و ان كان حقاً ثابتا له، لانہ اخذه بحكم الطاغوت، وقدامرالله ان يكفربه. قلت: فكيف يصنعان؟ قال (ع): ينظران (الٰی) من كان منكم ممن قد روى حديثنا و نظرفی حلالنا وحرامنا و عرف احكامنا فليرضوا به حكماء فانی قدجعلتة عليكم حاكماًفاذاحكم بحكمنا فلم يقبله منه فانمااستخف بحكم الله وعلينا رد، والرادعلينا الرادعلى الله وهوعلى حدالشرك بالله ۔ [۱]

یہ روایت ایک معتبر حیثیت کی حامل ہے اور یہی اس کی مقبولیت کی وجہ ہے۔

عمر بن حنظلہ فرماتے ہیں کہ امام صادق علیہ السلام سے دو ایسے شیعہ اشخاص کے بارے میں پوچھا گیا تھا جن کے درمیان قرض یا میراث میں اختلاف تھا، اور اس کے حل کیلیے سلطان یا قاضی سے رجوع کیا گیا تھا۔ سوال یہ تھا کہ : کیا یہ بات جائز ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: جو اس قسم کے حاکموں سے رجوع کرے در حقیقت اس نے

شیطان سے رجوع کیا۔اس بات پر غور کیجیے کہ امام علیہ السلام نے غیر شرعی حکومتی ادارے سے رجوع کرنے کو شیطان سے رجوع کرنے کے مترادف قرار دیا ہے اور کسی بھی سلسلے میں ان کا حکم چاہے وہ عدل ہی پر مبنی کیوں نہ ہو، قانونی طور پر حرام ہے۔کیونکہ خداوند کریم فرماتا ہے کہ لوگوں کو چاہیے کہ کسی سلسلہ میں بھی شیطان سے رجوع نہ کریں۔

راوی نے دریافت کیا کہ اس سلسلے میں کس سے رجوع کیا جائے؟

آپ نے فرمایا کہ لوگوں کو چاہیے کہ ایسی صورت میں فقیہ سے رجوع کریں اور اس کا فیصلہ اور حکم مانیں کیونکہ میں نے فقیہ کو حاکم قرار دیا ہے اور اگر وہ کوئی حکم دے تو لوگوں کو چاہیے کہ اسکی پیروی کریں (حتیٰ کہ یہ حکم مجتہدین پر بھی لاگو ہوتا ہے) اگر کوئی شخص اُن کے حکم سے بے اعتنائی برتتا ہے تو وہ ہم اہلبیت کی باتوں کو رد کرتا ہے اور ہماری باتوں کو رد کرنے والا اللہ تعالیٰ کی بات کو رد کرنے والا ہے اور یہ کام ہر صورت میں خدا سے شرک کرنے کے مترادف ہے۔''

عام طور سے ایسا ہوتا ہے اور ہوتا چلا آیا ہے اور آج بھی اس بات کی پابندی کی جاتی ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص جو کسی شہر یا مملکت کا حاکم ہو، اپنے شہر یا مملکت میں کسی شخص کو حاکم بنادے تو شہر یا مملکت کے تمام لوگوں کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اُن تمام کاموں میں اس سے رجوع کریں جن میں کوئی گروہ اپنے رئیس سے رجوع کرنا چاہے، وہ کام مُلکی ہوں یا فوجی، یا جھگڑوں کے فیصلوں

متعلق ہوں، ان تمام امور میں اس کا حکم نافذ ہوگا۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام نے، جو دین اور دنیا کے تمام معاملات میں عمومی ریاست اور زعامت کے حامل ہیں، فقیہ اور مجتہدین کو امتِ مسلمہ پر حکمران قرار دیا ہے اس بنیاد پر "**قد جعلته حاکماً**" کے معنی یہ ہیں کہ تمام امور میں مجتہدین کی پیروی کی جانا چاہیئے اور تمام امور میں ان کے حکم کی اتباع ضروری ہے اور حکومتِ اسلامی کے معنی یہی ہیں۔

اس دلیل پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ حدیث لڑائی جھگڑوں اور معاملات کی قضاوت کے سلسلے میں وارد ہوئی ہے اور زیادہ سے زیادہ صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ حاکم اپنا فیصلہ تو سنا سکتا ہے لیکن اس پر عمل نہیں کروا سکتا دوسرے لفظوں میں فیصلے کا حق تو مجتہد کو حاصل ہے لیکن وہ مملکت کے معاملات کی انجام دہی اور عادلانہ اسلامی معاشرے کی تشکیل کے سلسلے میں قوتِ نافذہ کا حامل نہیں ہے۔

یہ اعتراض قابل قبول نہیں ہے کیونکہ اوّل تو یہ کہ روایت کے متن میں امام علیہ السلام سے سوال کیا گیا ہے کہ اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے کہ اس قسم کے واقعات میں خود حاکم یا قاضی کی طرف رجوع کیا جاتا ہو تو کیا ایسے معاملات میں شیعوں کے لیئے غیر شیعہ بادشاہ یا قاضی سے رجوع کرنا جائز ہوگا یا نہیں امام نے جواب میں فرمایا کہ دونوں میں سے کسی کی جانب رجوع کرنا جائز نہیں ہے۔

پھر راوی سوال کرتا ہے کہ اس قسم کے معاملات میں آپ کے شیعوں کو کیا کرنا چاہیئے؟ امام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس قسم کے تمام معاملات میں شیعہ فقیہ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اوران معاملوں میں اس کے قلم کا جاری ہونا ضروری ہے کیونکہ میں نے اسے امت مسلمہ پر حاکم قرار دیا ہے۔

اس بنیاد پر یہ روایت فقط قضاوت کے سلسلہ میں نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ ہم فرض کیئے لیتے ہیں کہ یہاں خاص طور سے قضاوت ہی مراد ہے لیکن جملہ "فانی قد جعلتہ حاکما" کے ذریعہ سے امام اُس حکم کا سبب بیان کر رہے ہیں، جس میں انہوں نے مجتہد کی طرف رجوع کرنے کو لازمی قرار دیا ہے اور یہی جملہ حکم کا مخصوص مورد معین کرتا ہے اسی لیئے یہ نہیں ہوسکتا کہ کلیہ کا وہ کبریٰ جو کسی حکم کے بیان کرنے کے بعد آئے خود اس معاملے سے مخصوص ہو جو اس حکم میں بیان کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر اگر یہ کہا جائے کہ شراب کا پینا حرام ہے کیونکہ وہ نشہ لاتی ہے تو اس جملہ کا نتیجہ یہ نکلے گا ہر نشہ آور چیز حرام ہے چاہے وہ شراب ہو یا کوئی اور چیز۔

تیسرے یہ کہ کلیہ کے اس کبریٰ اور اس علت سے خاص طور پر قضاوت ہی مراد ہو تو ایک لغو اور بے معنی تکرار سامنے آئے گی یعنی اگر کوئی حکم بیان کر کے اس کے سبب میں وہی حکم دہرا دیا جائے جیسے کہ یہ کہیں: عالم کا احترام ضروری ہے کیونکہ عالم کا احترام ضروری ہے تو خود ہی غور کیجیے کہ یہ عبارت کتنی غیر بلیغ اور بے معنی ہوگی۔

چوتھے یہ کہ قضاوت کے سلسلے میں حق کے ساتھ فیصلے کروانے اور قضائی احکام کے نفاذ کے لیئے قاضی سے رجوع کیا جائے۔ اور مدِ مقابل شخص سے حکم کی اطاعت یا حکم کے اجراء کیلیے، چاہے وہ حقوق کے سلسلے میں ہو یا انجام کے سلسلے میں، چاہیے کہ ایسی قوت سے رجوع کیا جائے جو ایک اجراء کی قوت رکھتی ہو۔

الغرض اس روایت سے کچھ امور سمجھ میں آتے ہیں جن کے بارے میں اشارتاً تحریر کیا جا رہا ہے۔

پہلے یہ کہ ایسے حاکم سے رجوع کرنا جو طاقت اور زبردستی کے ذریعہ سے ایسے مقام تک پہنچا ہو جہاں سے وہ حاکم کے فرائض انجام دے سکتا ہو، حرام ہے۔ جائز نہیں ہے کہ ایسے شخص سے رجوع کیا جائے جو غلط طریقہ سے اس بات پر قادر ہوا ہو کہ احکام کا اجراء کر سکے یا قضاوت کی قوت رکھتا ہو اور کسی بھی مسلمان شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ احکام اور اجتماعی معاملات کے سلسلے میں ایسی ہیئت حاکمہ سے رجوع کرے جو غیر صالح ہو یا ایسے حاکم سے رجوع کرے جو طاقت سے اس منصب پر براجمان ہو گیا ہو۔ اور یہاں تک کہ اگر حق ثابت بھی ہو جائے تب بھی اس حق کو حاصل کرنے کے سلسلے میں ان سے رجوع کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اگر یہ سب کچھ جان لینے کے بعد بھی ان ہی کی طرف رجوع کیا جائے تو یہ اسلامی دستور کے خلاف ہوگا۔

دوسرے یہ کہ اگر اُن سے رجوع کیا جائے اور حاکم اُس کے حق میں صحیح

فیصلہ دے، تب بھی وہ مال، جو ظالم حاکم کے حکم سے حاصل ہوا ہو، اگرچہ وہ حقیقت میں اس کا مال ہوگا لیکن اُس کے لیئے اس مال میں تصرف اس لیئے جائز نہیں ہوگا کہ یہ مال اسے ناجائز حاکم کے حکم سے واپس ملا ہے۔

یہ بہت واضح سی بات ہے کہ یہ حکم سیاسی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اگر مسلمان اس حکم کو عملی جامہ پہنائیں تو یہ فطری سی بات ہے کہ شیطانوں اور ظالم حکمرانوں کی دوکان بند ہو جائیگی اور پھر وہ اس قابل نہیں رہ سکیں گے کہ کسی اسلامی مملکت کی عزت، سرمایہ اور زیرِ زمین دفن قدرتی خزانوں سے کھیلیں اور اپنی اور اپنے اہلکاروں کی فسق و فجور سے بھری ہوئی فساد آمیز زندگی کو قائم رکھ سکیں۔

تیسرے یہ کہ جیسا کہ وارد ہوا ہے جھگڑوں، باہمی اختلافات اور اپنے کاموں میں جو مسائل لوگوں کو پیش آتے رہتے ہیں چاہیئے کہ مجتہدین سے رجوع کیا جائے اور مجتہدین اسلامی احکام کے اجراء کا اور اُن کو نافذ کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ بالکل اُسی طرح جیسا کہ حضرت امیر علیہ السلام خود ہی قضاوت فرماتے اور حق کا تعین فرماتے تھے اور سزائیں معیّن کرتے تھے اور اس کا اجراء بھی خود ہی کرتے تھے۔ خود ہی قید کرتے تھے۔ حدیں بھی جاری کرتے تھے اور سزائیں بھی دیتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ بالکل اسی طرح، امامِ زمانہ علیہ السلام کی غیبت کے دور میں علمائے اسلام ان تمام مناصب پر فائز ہیں۔

# خطبہ

# امر بالمعروف ونہی عن المنکر

## خطبہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر!

اس مقام پر ضروری ہے کہ ہم امام حسین علیہ السلام کے اس مشہور ومعروف خطبہ کا بھی ذکر کریں جو انہوں نے منیٰ کے مقام پر علمائے اسلام کو جمع کر کے ارشاد فرمایا تھا۔ اس خطبہ میں امام حسین علیہ السلام نے بہت اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اور علماء کو ان کے فرائض منصبی یاد دلانے کی کوشش فرمائی ہے۔ یہ خطبہ "**خطبہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر**" کے نام سے مشہور ہے۔ اس خطبہ کا اردو ترجمہ ہم اپنے استاد محترم فقیہ بارع آیۃ اللہ علامہ سید حسین مرتضیٰ مدظلہ العالی کی زبانی نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔[1]

---

[1] ۔ کردار کی روشنی / میراث انبیاء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(١) اِعْتَبِرُوْا ، أيُّها النَّاس ! بِمَا وَعَظَ اللّٰهُ بِهِ أوْلِيَاءَهُ مِنْ سُوءِ ثَنَائِهِ عَلَى الْأحْبَارِ، إذْ يَقُوْلُ :

(٢) لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبَّانِيُّوْنَ وَالْأحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإثْمَ وَأكْلِهِمُ السُّحْتَ ط

(سورۃ المائدہ نمبر۵ آیت ۶۳)

(٣) وَقَالَ :-

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ إسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ط ذٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ط لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ۔

(سورۃ المائدہ نمبر۵ آیت ۷۸/۷۹)

(٤) وَإنَّمَا عَابَ اللّٰهُ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ لِأنَّهُمْ كَانُوْا يَرَوْنَ مِنَ الظَّلَمَةِ الَّذِيْنَ بَيْنَ أظْهُرِهِمُ الْمُنْكَرَ وَالْفَسَادَ فَلَا يَنْهَوْنَهُمْ عَنْ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۱) لوگو! خداوندِ عالم نے یہودی اور عیسائی علماء کی مذمت فرما کے، اپنے چاہنے والوں (اولیاء) کو جو نصیحت فرمائی ہے، اس سے عبرت حاصل کرو۔ اس کا ارشاد ہے :

(۲) "ان اللہ والوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ لوگوں کو گناہ گارانہ گفتگو اور رشوت خوری سے نہیں روکتے"

(۳) اور یہ کہ :

"بنی اسرائیل میں جو لوگ کافر تھے، ان پر، حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ ابن مریم (علیہما السلام) کی زبانی لعنت کی گئی۔ کیونکہ ان لوگوں نے اللہ جل جلالہٗ کی نافرمانی کی اور حدود سے تجاوز کر گئے۔ جو بُرا کام وہ کر چکے تھے، اس سے وہ باز نہیں آتے تھے۔ اور یہ لوگ جو کام کرتے تھے وہ کتنا بُرا تھا۔"

(۴) خداوندِ عالم نے، اپنی معرفت رکھنے والوں اور علماء کی سرزنش اس لیئے کی ہے کہ؛ لوگ ان کے سامنے بُرے سے بُرا کام کرتے اور فساد پھیلاتے تھے مگر یہ اللہ والے، ان بدکاروں کو، بُرائیوں سے اس لیئے نہیں روکتے تھے کہ

ذٰلِكَ رَغْبَةً فِيمَا كَانُوا يَنَالُونَ مِنْهُمْ وَرَهْبَةً مِمَّا يَحْذَرُونَ

(۵) وَاللّٰهُ يَقُولُ:

" فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ "

( سورۃ المائدہ : ۵، آیۃ: ٤٤ )

(٦) وَقَالَ :

" وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ "

(سورۃ التوبہ نمبر۹ آیت ۷۱)

(۷) فَبَدَأَ اللّٰهُ بِالْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ فَرِيضَةً مِنْهُ ، لِعِلْمِهِ بِأَنَّهَا إِذَا أُدِّيَتْ وَأُقِيمَتْ ، إِسْتَقَامَتِ الْفَرَائِضُ كُلُّهَا هَيِّنُهَا وَصَعْبُهَا ، وَذٰلِكَ

(۸) أَنَّ الْأَمْرَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ دُعَاءٌ إِلَى الْإِسْلَامِ مَعَ رَدِّ الظَّالِمِ وَمُخَالَفَةِ الظَّالِمِ وَقِسْمَةِ الْفَيْءِ وَالْغَنَائِمِ وَأَخْذِ الصَّدَقَاتِ مِنْ مَوَاضِعِهَا وَ وَضْعِهَا فِي حَقِّهَا ،

اس صورت میں ان کو اپنے ان مفادات سے ہاتھ دھونا پڑتا، جو انہیں ان بدکاروں سے حاصل ہونے کی امید تھی اور اس لیئے بھی کہ وہ ان سے ڈرتے تھے۔

(۵) حالانکہ اللہ جل جلالہٗ کا ارشاد تو یہ ہے کہ :

''تو تم، ہرگز لوگوں کا خوف نہ کرو اور صرف مجھ سے ڈرو۔''

(۶) اور اس نے ارشاد فرمایا ہے کہ :

''مومن مردوں اور مومن خواتین کی صفتیں تو یہ ہیں کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے گہرے دوست ہوتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کو نیک کاموں کا حکم دیتے اور بُرے کاموں سے روکتے ہیں۔

(۷) یوں، خداوند عالم نے ''امر بالمعروف'' اور ''نھی عن المنکر'' (نیکی کرنے اور اس کا حکم دینے اور بُرائی سے رُکنے اور دوسروں کو اس سے روکنے) کو اوّلین فریضہ قرار دیا ہے کیونکہ اس علیم وخبیر کو معلوم ہے کہ اگر یہ فریضہ ادا ہو جائے اور اسے قائم کردیا جائے تو تمام تر آسان اور مشکل فرائض وواجبات خود بخود ادا ہو جائیں گے۔ اور یہ اس لیئے ہے :۔

(۸) کہ ''امر بالمعروف'' اور ''نھی عن المنکر'' لوگوں کو اسلام کی جانب اس انداز سے بلاتے ہیں کہ مظالم خود بخود دُور ہو جاتے ہیں، ظالم کی مخالفت لازم ہو جاتی ہے، آمدنی اور محاصل کی تقسیم عمل میں آجاتی ہے اور اہلِ دولت سے حاصل ہونے والا وہ حصہ حقداروں تک پہنچ جاتا ہے جو خداوندِ عالم نے مقرر فرمایا ہے !

(۹) ثُمَّ أَنْتُم ، أَيَّتُهَا الْعِصَابَةُ ! بِالْعِلْمِ مَشْهُورَةٌ وَ بِالْخَيْرِ مَذْكُورَةٌ وَ بِالنَّصِيحَةِ مَعْرُوفَةٌ وَ بِاللهِ فِي أَنْفُسِ النَّاسِ مُهَابَةٌ.

(۱۰) يَهَابُكُمُ الشَّرِيفُ وَيُكَرِّمُكُمُ الضَّعِيفُ وَيُؤْثِرُكُمْ مَنْ لَا فَضْلَ لَكُمْ عَلَيْهِ وَلَا يَدٌ لَكُمْ عِنْدَهُ ، تَشْفَعُونَ فِي الْحَوَائِجِ إِذَا امْتُنِعَتْ مِنْ طُلَّابِهَا وَتَمْشُونَ فِي الطَّرِيقِ بِهَيْبَةِ الْمُلُوكِ وَ كَرَامَةِ الْأَكَابِرِ !

(۱۱) أَلَيْسَ كُلُّ ذٰلِكَ إِنَّمَا نِلْتُمُوهُ بِمَا يُرْجَى عِنْدَكُمْ مِنَ الْقِيَامِ بِحَقِّ اللهِ وَإِنْ كُنْتُمْ عَنْ أَكْثَرِ حَقِّهِ تُقَصِّرُونَ. فَاسْتَخْفَفْتُمْ بِحَقِّ الْأَئِمَّةِ !

(۱۲) فَأَمَّا حَقُّ الضُّعَفَاءِ فَضَيَّعْتُمْ ،وَأَمَّا حَقُّكُمْ بِزَعْمِكُمْ فَطَلَبْتُمْ.

(۱۳) فَلَا مَالًا بَذَلْتُمُوهُ وَلَا نَفْسًا خَاطَرْتُمْ بِهَا

(۹) پھر تم، اے حاضرینِ محفل! تم تو ان افراد میں سے ہو جن کے متعلق عام طور سے یہ مشہور ہے کہ وہ عالم ہیں، تمہیں نیکوکار سمجھکر یاد کیا جاتا ہے، ناصح کے طور پر پہچانا جاتا ہے اور اللہ کی نسبت سے لوگوں کے دلوں میں تمہاری ہیبت بیٹھی ہوئی ہے!

(۱۰) شریف اور معزز لوگ تم سے ہیبت زدہ اور مرعوب رہتے ہیں، اور کمزور و نادار افراد تمہاری عزّت وتکریم کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ لوگ بھی تمہاری فضیلت کا اعتراف کرتے اور تمہارے سامنے ایثار سے کام لیتے ہیں جن پر تمہیں کسی قسم کی برتری حاصل نہیں ہے اور نہ تم نے ان پر کوئی احسان ہی کیا ہے، جب، ضرورت مندوں کی حاجتیں روک لی جاتی ہیں تو تم ان کی سفارش کرتے ہو اور تم لوگ بادشاہوں جیسے جاہ وجلال اور رؤساء ملت واکابر قوم جیسے وقار و تمکنت کے ساتھ راستہ چلتے ہو!

(۱۱) کیا، یہ سب کچھ اس لیئے نہیں ہے کہ بلا شک وشبہ تم نے وہ سب کچھ حاصل کرلیا ہے، جو تمہیں اس امید پر ملنا چاہیئے تھا کہ تم اللہ جل جلالہٗ کے حقوق کو قائم کرو گے، حالانکہ، تم پروردگار عالم کے بیشتر حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہو۔ چنانچہ تمہاری حالت یہ ہے کہ تم آئمہ علیہم السلام کے حقوق کو معمولی گردانتے اور ان کے سلسلہ میں سہل انگاری سے کام لیتے ہو۔!

(۱۲) اور جہاں تک کمزوروں کے حقوق کا تعلق ہے! تو، انہیں تو تم نے بالکل ہی تباہ کردیا ہے۔ البتہ اپنے خودساختہ حقوق بڑی ڈھٹائی سے طلب کرتے ہو

(۱۳) تمہارا حال یہ ہے کہ نہ تو تم نے راہ خدا میں مال خرچ

لِلَّذِیْ خَلَقَهَا۔

(۱۴) وَلَا عَشِیْرَةً عَادَیْتُمُوْهَا فِیْ ذَاتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَتَمَنَّوْنَ عَلَى اللّٰهِ جَنَّتَهٗ وَمُجَاوَرَةَ رُسُلِهٖ وَاَمَانًا مِنْ عَذَابِهٖ۔

(۱۵) لَقَدْ خَشِیْتُ عَلَیْکُمْ، اَیُّهَا الْمُتَمَنُّوْنَ عَلَى اللّٰهِ! اَنْ تَحُلَّ بِکُمْ نَقِمَةٌ مِنْ نَقِمَاتِهٖ لِاَنَّکُمْ بَلَغْتُمْ مِنْ کَرَامَةِ اللّٰهِ مَنْزِلَةً فُضِّلْتُمْ بِهَا! وَمَنْ یُعْرَفُ بِاللّٰهِ لَا تُکْرِمُوْنَ، وَاَنْتُمْ بِاللّٰهِ فِیْ عِبَادِهٖ تُکْرَمُوْنَ،

(۱۶) وَقَدْ تَرَوْنَ عُهُوْدَ اللّٰهِ مَنْقُوْضَةً فَلَا تَفْزَعُوْنَ، وَاَنْتُمْ لِبَعْضِ ذِمَمِ اٰبَائِکُمْ تَفْزَعُوْنَ وَ ذِمَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه و آله مَخْفُوْرَةٌ۔ وَ الْعُمْیُ وَ الْبُکْمُ

(۱۷) وَ الزَّمْنٰی فِی الْمَدَائِنِ مُهْمَلَةٌ لَا تَرْحَمُوْنَ وَلَا فِیْ مَنْزِلَتِکُمْ تَعْمَلُوْنَ وَلَا مَنْ عَمِلَ فِیْهَا تُعِیْنُوْنَ وَبِالْاِدْهَانِ وَالْمُصَانَعَةِ عِنْدَ الظَّلَمَةِ تَاْمَنُوْنَ،

کرنے کی زحمت گوارا کی ہے! نہ تم نے اپنے نفس کو اس خطرہ میں ڈالنے کی کوشش کی ہے جس کے لئے اسے خلق کیا گیا ہے!

(۱۴) اور نہ ہی تم نے کسی گروہ سے خداوند عالم کی خاطر اختلاف اور لاتعلقی کا اظہار کیا ہے! اس کے باوجود (قہار و جبار) پروردگار عالم کے مقابلہ میں تمہاری جرأت کا عالم یہ ہے کہ تم پروردگار عالم سے جنت، رسولوں کے پڑوس اور (دنیا و آخرت میں) اسکے عذاب سے امان کی تمنا رکھتے ہو!

(۱۵) اے، خداوند عالم سے اپنی خواہشات کے طلبگارو! تمہارے بارے میں مجھے ڈر ہے کہ، کہیں تم پر اس کے خوفناک عذابوں میں سے کوئی عذاب نہ ٹوٹ پڑے، کیونکہ تم، اللہ جل جلالہٗ کی کرامت کے سبب عزت ووقار کے بلند و برتر مقام تک پہنچ گئے ہو، اس کے باوجود تم، خداوند عالم کی معرفت رکھنے والوں کی عزت نہیں کرتے، جب کہ تم بندگانِ خدا کے درمیان اللہ جل جلالہٗ ہی کے واسطے سے معزز و مکرم ہو!

(۱۶) اور تمہاری حالت یہ ہے کہ، تم، اللہ جلالہٗ سے کئے ہوئے وعدوں کو ٹوٹتے ہوئے دیکھتے ہو، لیکن اس کے خلاف آواز بلند نہیں کرتے، حالانکہ تم اپنے آباؤ اجداد کے کچھ حقوق کی پامالی پر چیخ اٹھتے ہو۔ تمہارے سامنے، حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق کی مسلسل تحقیر کی جارہی ہے، اور تم اندھے اور بہرے بنے ہوئے ہو!

(۱۷) شہروں اور خود تمہارے گھروں میں عاجزی و بے چارگی کی

(۱۸) كُلُّ ذَلِكَ مِمَّا أَمَرَكُمُ اللّٰهُ بِهِ مِنَ النَّهْيِ وَ
التَّنَاهِيْ وَأَنْتُمْ عَنْهُ غَافِلُوْنَ ،
وَأَنْتُمْ أَعْظَمُ النَّاسِ مُصِيْبَةً لِمَا غُلِبْتُمْ عَلَيْهِ
مِنْ مَنَازِلِ الْعُلَمَاءِ لَوْكُنْتُمْ تَشْعُرُوْنَ .
(۱۹) ذٰلِكَ ،
بِأَنَّ مَجَارِيَ الْأُمُوْرِ وَالْأَحْكَامِ عَلٰى أَيْدِيْ
الْعُلَمَاءِ بِاللّٰهِ ، الْأُمَنَاءِ عَلٰى حَلَالِهِ وَحَرَامِهِ
فَأَنْتُمُ الْمَسْلُوْبُوْنَ تِلْكَ الْمَنْزِلَةِ . وَمَا
سُلِبْتُمْ ذٰلِكَ اِلَّا بِتَفَرُّقِكُمْ عَنِ الْحَقِّ
وَاخْتِلَافِكُمْ فِي السُّنَّةِ بَعْدَ الْبَيِّنَةِ الْوَاضِحَةِ !
(۲۰) وَلَوْصَبَرْتُمْ عَلَى الْأَذٰى وَتَحَمَّلْتُمُ الْمَؤُوْنَةَ
فِيْ ذَاتِ اللّٰهِ ! كَانَتْ أُمُوْرُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ
تَرِدُ وَعَنْكُمْ تَصْدُرُ وَ اِلَيْكُمْ تَرْجِعُ .
(۲۱) وَلٰكِنَّكُمْ
مَكَّنْتُمُ الظَّلَمَةَ مِنْ مَنْزِلَتِكُمْ وَاسْتَسْلَمْتُمْ أُمُوْرَ اللّٰهِ فِيْ
أَيْدِيْهِمْ . يَعْمَلُوْنَ بِالشُّبُهَاتِ وَيَسِيْرُوْنَ فِي الشَّهَوَاتِ ،

انتہا ہو چکی ہے،اور تمہیں رحم نہیں آتا،اور نہ تم خود ہی اس سلسلہ میں کوئی اقدام کرتے ہو نہ ہی اس میدان میں آگے بڑھنے اور عملی اقدام کرنے والے مجاہدوں کی مدد یا ہمت افزائی کا فریضہ سرانجام دیتے ہو !! بلکہ تم خوشامد اور چاپلوسی سے ظالموں کی پناہ حاصل کر لیتے ہو!

(۱۸) یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ خداوند عالم نے جن باتوں سے تمہیں خود رُکنے اور دُوسروں کو روکنے کا حکم دیا ہے،تم ان سے عمداً غفلت برتتے ہو! تم،لوگوں میں سب سے زیادہ گرفتار بلا ہو،کیونکہ تم علماء کے آستانوں سے گریزاں ہو۔کاش ! تم ان کے پاس جاتے!

(۱۹) بات یہ ہے !

کہ،درحقیقت،خدادوست اور صالح علماء،احکامِ الٰہی کا سرچشمہ اور حلال وحرامِ خدا کے امانت دار ہیں،اور تم اس منزلت سے محروم ہو،اور تمہاری اس محرومی کی وجہ!سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ، تم،حق سے اختلاف کرتے اور واضح دلیل کے باوجود سنّت سے اتفاق نہیں کرتے !

(۲۰) اگر،تم مصائب وآلام پر صبر کرتے اور خداوند عالم کی خاطر مشکلات کا سامنا کرتے،تو احکامِ الٰہی،تم ہی پر وارد ہوتے،انہیں تمہارے ہی ذریعہ جاری کیا جاتا اور وہ تمہاری ہی طرف لوٹتے۔

(۲۱) لیکن!تم نے بدکاروں کو اپنے اوپر مسلط کر لیا ہے،اور احکام الٰہی کا نگہبان ان لوگوں کو بنا دیا ہے جو شبہات پر عمل اور نفسانی خواہشات کی پیروی

سَلَّطَهُمْ عَلَى ذٰلِكَ فِرَارُكُمْ مِنَ الْمَوْتِ وَاِعْجَابُكُمْ بِالْحَيَاةِ الَّتِي هِيَ مُفَارِقَتُكُمْ.

(۲۲) فَاَسْلَمْتُمُ الضُّعَفَاءَ فِيْ اَيْدِيْهِمْ ۔ فَمِنْ بَيْنِ مُسْتَعْبَدٍ مَقْهُوْرٍ، وَ بَيْنَ مُسْتَضْعَفٍ عَلٰى مَعِيْشَتِهٖ مَغْلُوْبٍ،

(۲۳) يَتَقَلَّبُوْنَ فِي الْمُلْكِ بِآرَائِهِمْ، وَيَسْتَشْعِرُوْنَ الْخِزْيَ بِاَهْوَائِهِمْ، اِقْتِدَاءً بِالْاَشْرَارِ، وَ جُرْاَةً عَلَى الْجَبَّارِ،

(۲٤) فِيْ كُلِّ بَلَدٍ مِنْهُمْ عَلٰى مِنْبَرِهٖ خَطِيْبٌ يُصْقَعُ، فَالْاَرْضُ لَهُمْ شَاغِرَةٌ، وَ اَيْدِيْهِمْ فِيْهَا مَبْسُوْطَةٌ، وَالنَّاسُ لَهُمْ خَوَلٌ لَا يَدْفَعُوْنَ يَدَ لَامِسٍ.

(۲۵) فَمِنْ بَيْنِ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ وَ ذِيْ سَطْوَةٍ عَلَى الضَّعَفَةِ شَدِيْدٍ، مُطَاعٌ يَعْرِفُ الْمُبْدِئَ الْمُعِيْدَ.

(۲٦) فَيَا عَجَبًا وَ مَالِيْ (لَا) اَعْجَبُ وَالْاَرْضُ مِنْ غَاشٍّ

کرتے ہیں۔اورتم پر یہ تسلط اس لئے قائم ہوا ہے کہ تم،موت سے بھاگتے ہواور دنیا کی اس عارضی زندگی کے گرویدہ ہو جو بہر حال تمہارا ساتھ چھوڑ دے گی !

(۲۲) اس لئے،تم نے کمزوروں کو ان بدکاروں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا ہے۔ اب،ان میں سے بعض غلام بنائے جا چکے ہیں اور ذلت ورسوائی کے گہرے غاروں میں گرے ہوئے ہیں،اور کچھ،معاشی طور پر کمزور اور مغلوب بنائے جا چکے ہیں۔

(۲۳) یہ ظالم،ان لوگوں کو اپنی خواہش اور رائے کے مطابق چلاتے ہیں کیونکہ،انہیں یہ خیال ہے کہ اگر ان مظلوموں کی تمنائیں پوری ہوگئیں تو یہ ظالم خود رسوا ہو جائیں گے۔اسلئے ،انہوں نے بدکاروں کی پیروی اور خداوند جبار کی نافرمانی کو اپنا شیوہ بنالیا ہے۔

(۲۴) انکی طرف سے ہر شہر کے منبر پر ایک شعلہ بیان خطیب مقرر ہے۔وہ دست درازیاں کرنے میں آزاد ہیں اور لوگ ان کے خادم اور زر خرید غلاموں کی مانند ہیں۔نیز یہ مظلوم اس ہاتھ سے چھٹکارا حاصل کرنے میں بے بس ہیں جو ان کو پکڑے ہوئے ہے۔

(۲۵) ان،حکمرانوں میں سے کچھ،ظالم وجابر ہیں اور کچھ صاحب قوت وطاقت۔اور یہ لوگ ایسے فرماں روا ہیں جو اپنے آنے اور واپس جانے کے مرحلوں سے بے خبر ہیں۔

(۲۶) میں،حیران وششدر ہوں ! اور ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ، زمین

غَشُوْمٍ ، وَمُتَصَلِّقٍ ظَلُوْمٍ، وَعَامِلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ بِهِمْ غَيْرِ رحيمٍ.

(۲۷) فَاللّٰهُ الْحَاكِمُ فِيْمَا فِيْهِ تَنَازَعْنَا وَالْقَاضِيُ بِحُكْمِهٖ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَنَا .

(۲۸) اَللّٰهُمَّ ! اِنَّكَ تَعْلَمُ اَنَّهُ لَمْ يَكُنْ مَا كَانَ مِنَّا تَنَافُسًا فِيْ سُلْطَانٍ وَلَا الْتِمَاسًا مِنْ فُضُوْلِ الْحِطَامِ وَلٰكِنْ لِنُرِيَ الْمَعَالِمَ مِنْ دِيْنِكَ، وَنُظْهِرَ الْاِصْلَاحَ فِيْ بِلَادِكَ، وَيَأْمَنَ الْمَظْلُوْمُوْنَ مِنْ عِبَادِكَ وَيُعْمَلَ بِفَرَائِضِكَ وَسُنَنِكَ وَاَحْكَامِكَ .

(۲۹) فَاِنْ لَمْ تَنْصُرُوْنَا وَتُنْصِفُوْنَا ، قَوِيَ الظَّلَمَةُ عَلَيْكُمْ وَعَمِلُوْا فِيْ اِطْفَاءِ نُوْرِ نَبِيِّكُمْ .

(۳۰) وَحَسْبُنَا اللّٰهُ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْهِ اَنَبْنَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ . لے

---

لے تحف القول ص ۲۳۷_۲۳۹

موسوی: بلاغۃ والحسینؑ ص۳۰_۴۰

زاهدی: منطق الحسینؑ ص ۱۰۲_۱۰۵

غفاری: بررسی تاریخ عاشوراء ص ۲۳_۲۵

پر ظالموں کی حکمرانی ہے، اور وہ ظالم ایسے ہیں جو زبردستی اپنی بات منوار ہے ہیں اور مومنوں کے سنگ دل حاکم بنے بیٹھے ہیں۔

(۲۷) اس لئے ، ہم جس بات پر لڑ رہے ہیں، اس میں ہماری طرف سے خداوند عالم ہی ثالث ہے اور ہمارے اختلافات میں اسی کو فیصلہ کرنا ہے۔

(۲۸) بار الٰہا !

تُو جانتا ہے کہ، ہم نہ سلطنت کی خاطر لڑ رہے ہیں۔ نہ ہمیں جھگڑوں کے فیصلے کرنے کی تمنا ہے۔ بلکہ، ہم یہ سب کچھ اس لئے کر رہے ہیں کہ ہم لوگوں کو تیرے دین کی نشانیاں دکھادیں۔ تیرے مظلوم بندوں کو ظلم سے بچائیں اور تیرے احکام و فرائض اور سنن پر عمل کریں اور کروائیں۔

(۲۹) تو، اے لوگو !

ہماری مدد کرو اور ہمارے ساتھ آگے بڑھو، کیونکہ ظالموں نے تم پر قوت حاصل کرلی ہے اور وہ تمہارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو بجھانے کے لئے سرتوڑ کوششوں میں مصروف ہیں۔

(۳۰) ہمارے لئے تو صرف خدا ہی کافی ہے۔ ہم اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اسی کی بارگاہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اسی کا دربار ہمارے لوٹنے کی جگہ ہے۔

(۳۱) هذه خطبة خطبها السيد الشهداء الحسين بن على عليه السلام فى اواخر زمن معاوية بن ابى سفيان فى منىٰ، لمّا جمع الف من الصحابة والتابعين بها فى ايّام الحج لهذا الغرض.

(۳۲) فقد ذكر الحسين عليه السلام فى اول الخطبة بعد الحمد والصّلوٰة جميع فضائل ابيه امير المومنين على بن ابى طالب عليه السلام

(۳۳) وخطبهم بهذه الخطبة وامرهم لنشر هذه الدعوة فى بلادهم وابلاغ هذه النصيحة الى النّاس كلهم

(٣٤) لأن هذه الخطبة بيان لاهداف نهضته وغاية سفره الجليل وشهادته العظمىٰ.

(۳۱) یہ خطبہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے معاویہ کے آخری دور میں، حج کے دوران، میدانِ منیٰ میں ہزار کے قریب صحابہ تابعین کے ایک ایسے اجتماع میں دیا تھا جس کے شرکاء کو امام علیہ السلام نے خصوصی دعوت دے کر مسلم دنیا کے گوشہ وکنار سے اسی مقصد کے لئے طلب فرمایا تھا۔

(۳۲) اس خطبہ کے آغاز میں حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے تمام فضائل ایک ایک کر کے بیان فرمائے۔

(۳۳) پھر یہ خطبہ دیا۔ امام علیہ السلام نے ان حضرات کو حکم دیا کہ وہ آپ کے اس پیغام کو اپنے اپنے علاقوں میں نشر کریں اور لوگوں تک پہنچائیں۔

(۳۴) اس لئے تحریکِ کربلا کا منشور یہی ہے۔

## خطبہ کے مطالب پر ایک نظر!

اس روایت میں بہت سے اہم مطالب معلوم ہوتے ہیں یہاں اُن میں سے چند کی جانب اشارہ کیا جارہا ہے۔

☆ اسلام نے حکومت کا منصب علماء کے سپرد کیا ہے اور اُن کا فریضہ قرار دیا ہے کہ وہ حکومت کو تشکیل دیں تا کہ معاشرہ میں عادلانہ نظام قائم ہو سکے۔

"وذلك مجاری الامور علی ایدی العلماً"

سے آخر تک جملوں کے قرینے جو شروع اور آخر میں بیان کئے گئے ہیں یہی معنی معلوم ہوتے ہیں اور تعجب تو اس بات پر ہے کہ اکثر فقہا روایت کے سیاق وسباق پر غور کئے بغیر اس روایت میں علماء اور فقہائے اسلام کی بجائے آئمہ طاہرین علیہ السلام مراد لیتے ہیں۔ یہ بات بہت زیادہ غور طلب اور عجیب وغریب ہے۔

☆ جب ظالم حاکم حکومت تشکیل دیں تو علماء کا فریضہ ہے کہ وہ نہ تو تن تنہا اس کا مقابلہ کریں بلکہ ان کو چاہیئے کہ وہ لوگوں کو اس کی بُرائی سے آگاہ کریں۔ نیز انکی راہنمائی کریں اور خاموشی نہ اختیار کریں اگر اس راہ میں انکو اپنی جان بھی خطرے میں ڈالنا پڑے تو وہ اس بات سے ہرگز گریز نہ کریں

اور خوف زدہ نہ ہوں نیز اگر اس سلسلے میں انہیں دنیا کے مال و اسباب سے ہاتھ دھونے کا خطرہ ہو تو بھی اس فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں۔

☆ اگر ظالم حاکم، دین کے سلسلے میں کوئی بدعت کرے تو علماء کو چاہیئے کہ وہ بولیں، تقاریر کریں اور فریاد کریں۔ غرض جس طرح سے بھی اُن کے لیئے ممکن ہو وہ اس بات سے قوم کو آگاہ کریں اور ان کے سامنے حقائق بیان کریں۔

☆ امام علیہ السلام اس لیئے حکومت کے خواہاں نہیں تھے کہ وہ اقتدار حاصل کریں اور نہ ہی وہ کسی دینوی مطلب کے دل دادہ تھے بلکہ وہ چاہتے تھے کہ دین کو زندہ کیا جائے اور مظلوموں کی دادرسی کی جائے تاکہ ظالموں کے اوپر مظلوم کی گرفت مضبوط ہو جائے۔

ان چند روایتوں کے علاوہ کچھ اور بھی ایسی روایتیں موجود ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حکومت کا منصب فقہاء کو دیا گیا ہے اس بُنیاد پر بات بالکل وہی ہے جو عالم اسلام کے بہت بڑے عالم مرحوم عراقی نے اپنی کتاب عوائد میں لکھی ہے انہوں نے ان روایتوں کی جانب اشارہ کرنے کے بعد کہا ہے کہ احادیث کے نقطۂ نظر سے بھی کسی شخص کے لئے اس بات میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ حکومت ایک ایسا الٰہی منصب ہے جو نبی اکرمؐ اور آئمہ اطہار علیہم السلام کے بعد متقی اور پرہیز گار فقہاء کا حق ہے۔

# تیسرا باب

## صحیح حاکم کے لازمی اوصاف

## صحیح حاکم کے لازمی اوصاف

جیسا کہ پہلی فصل میں بیان کیے گئے اسلوب کے مطابق ہمیں تیسرے باب میں دو امور پر غور کرنا تھا :

☆ پہلا امر یہ کہ حاکم کون ہے؟

الحمدللہ اس موضوع پر ہم کافی حد تک سیر حاصل گفتگو کر چکے ہیں۔

☆ اور دوسرا امر یہ کہ حاکم میں کن شرائط اور خصوصیات کا ہونا ضروری ہے۔

پہلے امر پر اچھی خاصی بحث کی جا چکی ہے۔ اب ہم دوسرے موضوع پر گفتگو کریں گے جو ان شرائط سے متعلق ہے، جو اسلامی حکومت کے حاکم میں پائی جانا ضروری ہیں۔

چنانچہ اس سلسلے میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں حاکم کی جو صفات بیان کی جائیں گی ان میں سے کسی بھی صفت کی عدم موجودگی اس شخص کو حکومت کی تشکیل کے سلسلہ میں نااہل قرار دینے کے لیئے کافی ہوگی۔

یہ اہم شرائط درج ذیل ہیں۔

☆ بالغ ہو! اس بنیاد پر نابالغ بچہ کسی بھی صورت میں حکومت تشکیل نہیں دے سکتا ہے۔ بلوغ تک پہنچنے سے پہلے کسی بالغ شخص کو اپنا وکیل بنا کر اس کے ذریعے حکومت تشکیل دینا چاہیے کیونکہ خود اصل حکمران کا بالغ ہونا شرط ہے۔

☆ عاقل ہو۔ چنانچہ دیوانہ شخص حکومت کی تشکیل نہیں دے سکتا ہے۔

☆ احمق نہ ہو کیونکہ احمق ملک کی اچھائی اور برائی کی تمیز نہیں کر سکتا ہے۔

☆ عالم ہو: یعنی اسلامی تعلیمات وقوانین پر مکمل دسترس رکھتا ہو۔ گذشتہ روایات کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہے بنیادی طور پر عالم ہونے کی حیثیت سے حکومت کی تشکیل واجب قرار دی گئی ہے۔

☆ اعلم ہو، یعنی اپنے دور کے تمام علماء سے اسلامی تعلیمات وقوانین کے سلسلہ میں افضل وبرتر ہو۔ اس شرط کی حجت کو چند حدیثوں کی روشنی میں ثابت کیا جاسکتا ہے۔

اوّل : حضرت امیر علیہ السلام نے ایک خطبہ کے ضمن میں فرمایا ہے۔

**"ایھا الناس ان احق الناس بھذا الامر اقومھم علیہ و اعلمھم بامر اللہ فان شغب استعتب وان ابی توکل۔"[1]**

"اے لوگو! حکومت کی تشکیل کے لیئے سب سے اہل شخص وہ ہے جو ان سب سے بہتر حکومت قائم کر سکتا ہو اور احکام الٰہی کے سلسلہ میں سب سے زیادہ جانتا ہو۔ لیکن اگر کوئی فسادی شخص بیانات کے ذریعے یا کسی اور طریقے سے فتنہ

---

۱۔ نہج البلاغہ، خطبہ : ۱۷۳

انگیزی کرے تو اس کا جواب دینا چاہیئے اور اگر وہ مکاری کے ذریعے فتنہ پھیلائے تو اس کا مقابلہ کرنا اور اس کے خلاف جنگ کرنا ضروری ہے۔"

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جو معاشرہ اپنے امور کی نگرانی اور حکومت کے نظم وضبط کی باگ ڈور کسی ایسے شخص کے سپرد کرے جس سے زیادہ دانشمند اور عالم شخص اس گروہ میں موجود ہو تو وہ معاشرہ لازمی طور پر تنزل کا شکار ہوتا رہے گا اور یہ تنزل اس وقت تک برقرار رہے گا جب تک کہ ان میں سے سب سے زیادہ دانشمند شخص تمام معاملات کا نگہبان نہ ہو جائے۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد یہ بھی ہے کہ:

"من ام قوما وفيهم اعلم منه وافقه منه لم يزل امرهم فی سفال یوم القيامة۔" [1]

"اگر کوئی شخص اس حالت میں قوم کی پیشوائی کرے کہ اس سے زیادہ عقل مند لوگ اس معاشرے میں موجود ہوں تو وہ قوم روزِ قیامت تک کے لیئے تنزلی کا شکار ہو جائے گی۔"

اور یہ بات بھی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کی گئی ہے۔

[1] ۔ محاسن برقی ، ج : ۱ ، ص : ۹۳

**"ان الریاسة لاتصلح اِلّا لاهلها فمن دعی الناس الی نفسه وفیهم من هواعلم منه لا ینظرالله الیه یوم القیامة۔"**

" ریاست کسی نااہل شخص کے لئے ٹھیک نہیں ہے یعنی اگر کوئی نااہل شخص حکومت کی تشکیل دے گا تو وہ فتنہ وفساد کا سبب بنے گی لہٰذا اگر کوئی شخص قوم سے خود یہ کہے کہ تم میری بیعت کرو حالانکہ مسلمانوں کے درمیان اس سے زیادہ دانشمند موجود ہوں تو خداوند عالم روزِ محشر اس کی طرف اپنی رحمت کی نظر نہیں ڈالے گا۔"

ایک روایت میں امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا گیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

**"من ضرب الناس بسیفه ودعاهم الی نفسه وفی المسلمین من هواعلم منه فهوضال متکلّف۔"** [1]

"کوئی شخص جنگ وخونریزی کے ذریعہ لوگوں کو اپنا مطیع بنالے حالانکہ اس سے زیادہ دانشمند لوگ موجود ہوں تو وہ شخص گمراہ ہے۔"

ان روایات کے علاوہ اس سلسلہ میں اور بہت سی اہم روایتیں بھی موجود ہیں لیکن اختصار کی خاطر ہم فقط کچھ روایات کے بیان پر اکتفا کر رہے ہیں۔

بنیادی طور پر اسلام نے علم ودانش کو زیادہ اہمیت دی ہے، عالم کو سب سے زیادہ بلند مرتبہ قرار دیا ہے۔ علم ودانش کو فلاح کے راستہ کی کنجی قرار دیا ہے۔

---

[1] تہذیب ج:۶،ص:۱۵۱

علم حاصل کرنے کی تاکید کی ہے اور بہت سی روایتوں میں علم اور عالم کی فضیلتیں بھی بیان کی گئی ہیں یہاں تک کہ علماء کو گذشتہ پیغمبروں کے مرتبے تک پہنچادیا ہے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلمانوں نے اس سلسلے میں اس حد تک غفلت برتی کہ بعض تاریخی کتابوں میں تحریر کیا گیا ہے کہ اسلامی مملکت کے خلیفہ کے وزیر، اپنے خلفاء کو کتاب پڑھنے، مطالعہ کرنے اور لکھنے سے روکتے تھے۔!!

چنانچہ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے ایک عباسی خلیفہ مرگیا تو اس کے وزیر نے ارادہ کیا کہ ایک ایسے فرد کو جو عالم اور دانشمند ہو خلافت کے عہدے پر فائز کرے لیکن اس کے درباریوں نے اُس کو اس کام سے روکا اور کہا کہ تم اس بات پر کیوں اصرار کرتے ہو کہ کوئی دانشمند شخص ہی خلیفہ بنے! بہتر تو یہ ہے وہ چھوٹا بچہ جو عقل ودانش کے نام سے ہی واقف نہ ہو اس کو مسلمانوں پر حاکم اور خلیفہ قرار دو اور تم اس کے نام کے سہارے حکمرانی کرو۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ مقتدر کو جو بے پڑھا لکھا بچہ تھا، خلیفہ بنادیا۔

بعض مورّخین نے لکھا ہے۔ کہ معاویہ نے کہا کہ کتنی بُری بات ہے خلیفہ زیادہ علم حاصل کرے۔ [۱]

علم ودانش وتعلیم سے بے تعلقی مسلمانوں کی بدبختی اور انحطاط وتنزل کا بہت بڑا سبب ہے۔

---

۱۔ کتاب الفخری فی آداب السلطانیہ، ص: ۵۔ مصری طباعت

## ☆ حاکم کیلئے عدالت، ضروری شرط ہے :

مسلمان حاکم کے لیئے ضروری ہے کہ وہ عادل ہو واجبات کو انجام دے اور محرمات سے کنارہ کشی اختیار کرے دوسرے لفظوں میں اس کو اللہ جل شانہٗ کے دستور پر پوری طرح عمل کرنا چاہیئے۔ اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کا مسلمانوں کی عزت و آبرو اور انکی قومی دولت اور حکومت کے تمام وظائف پر مسلط ہونا ملت اسلامیہ کے ساتھ خیانت تصور ہوگا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمانوں کو سیاہ دن دیکھنا پڑیں گے اور ان کا زوال شروع ہو جائے گا۔

کیونکہ اس قسم کا آدمی فطری طور پر نفسیاتی خواہشات اور حیوانی لذتوں کے مقابلے میں قومی مصلحتوں اور فائدوں کو پامال کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرے گا۔ تاریخ کے طالب علم جانتے ہیں کہ تقویٰ اور عدالت کی صفات سے خالی حکمران کے سبب مسلمانوں کو کتنے سیاہ دن دیکھنا پڑے اور کتنے تنزل اور انحطاط کا سامنا کرنا پڑا۔

بہر حال آئمہ طاہرین علیہم السلام کی روایات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ احکام اسلامی کی مکمل پیروی کی شرط حاکم کے سلسلے میں بنیادی حیثیت کی حامل ہے۔

سلیمان ابن خالد امام جعفر صادقؑ سے روایت کرتے ہیں کہ امامؑ نے فرمایا:

''اتقوا الحکومة فان الحکومة انما هی للامام العالم بالقضاء، العادل فی المسلمین کنبی او وصی نبی۔ ''[1]

حکومت کے بارے میں ہوشیار و خبردار رہو کیونکہ یہ ایسے رہبروں کا حق ہے جو قضاوت کے مسائل سے آگاہ اور مسلمانوں میں عادل ہو یعنی احکام الٰہی پر ایک نبی یا وصی کی طرح کاربند ہو۔

چنانچہ حضرت امیر علیہ السلام ایک خطبہ میں فرماتے ہیں۔

''وقدعلمتم انّه لا ینبغی ان یکون الوالی علی الفروج والدماء والمغانم والاحکام وَ اِمامةُ المسلمینَ البخیلُ، فتکون فی اموالهم نَهمَتُه، ولا الجاهل فَیُضلّهم بجهله ولا الجافی فیقطعهم بجفائه، ولا الحائف للدول فیتخذ قوما دون قوم ولا المرتشی فی الحکم فیذهب بالحقوق، ویقف بها دون المقاطع، ولا المعطل للسنة فَیُهلك الامة۔ ''[2]

''اے لوگو! خوب اچھی طرح جان لو کہ وہ شخص جو تمہاری عزت و آبرو کا محافظ، جان و مال کا نگران اللہ کے قوانین کا نافذ کرنے

[1] من لایحضرہ الفقیہ، ج: ۳، ص: ۵، [2] نہج البلاغہ، خطبہ ۱۳۱

والا اور مسلمانوں کا رہبر اور ولی ہو اس کے لیئے ضروری ہے کہ وہ بخیل نہ ہو۔ اور اسے جاہل بھی نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ جاہل قوم کو گمراہ کردے گا اور اس طرح اُسے سخت مزاج اور ظالم بھی نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ اگر ایسا ہوگا تو لوگ اُسے ظلم کی وجہ سے چھوڑ دیں گے۔

اور اسے ایسا بھی نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ مسلمانوں کے مال کو بے دردی سے خرچ کرے اور رشوت خور بھی نہیں ہونا چاہیئے تا کہ لوگوں کے حقوق کو پامال نہ کر سکے اور اسے ایسا بھی نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ اللہ کے قوانین اور اسکی سُنت کو معطل کر دے کیونکہ ایسا شخص قوم کی بربادی کا سبب بنے گا۔

یہ حدیث حاکم کے سلسلے میں دو صفتیں بتارہی ہے پہلی علم اور دوسری عدالت۔ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”لاتصلح الامامة اِلّا لرجل فيه ثلاث خصال : ورع يحجزه عن معاصي الله ، و حلم يملك به غضبه ، وحسن الولاية على من يلي حتى يكون لهم كالوالد الرحيم ۔“[۱]

کسی ایسے شخص کو مسلمانوں کی امامت پیشوائی اور رہبری کا حق حاصل نہیں ہے جو ان تین خصلتوں کا حامل نہ ہو یعنی وہ ایسا متقی اور پرہیز گار ہو کہ خدا

[۱] ۔ اصول کافی ج : ۱، ص : ۴۰۷ ح : ۸ باب: ما یجب من حق الامام علی الرعیة

کی نافرمانی سے باز رہے۔ ایسا حلیم وبردبار بھی ہو کہ غصے کی حالت میں اپنے پر قابو بھی پا سکے اور قوم کی اس انداز سے سرپرستی کرے کہ ایک ایک فرد کیلئے مہربان باپ کی مانند ہو۔

حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے اہل کوفہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

**"فلعمری ماالامام الّا الحاکم بالکتاب القائم بالقسط والدائن بدین اللہ العابس نفسه علی ذات اللہ۔"** [۱]

"میری زندگی کی قسم امام صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جو قرآن حکیم کے مطابق حکومت کرے لوگوں کے ساتھ عادلانہ سلوک کرے دین دار ہو اپنے نفس کو اس نے اللہ کے لیے محفوظ کر لیا ہو۔"

امام حسنؑ علیہ السلام ایک خطبہ میں فرماتے ہیں،

**"انما الخلیفه من سار بکتاب اللہ وسنة نبیه۔"** [۲]

"خلیفہ وہی شخص ہو سکتا ہے جو کتاب اور سنت کے مطابق عمل کرے۔"

ایک اور قابل اعتماد راوی ابو خدیجہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک روایت کی ہے جس میں امام علیہ السلام نے حقوق اور سزاء کے سلسلے میں پیدا ہونے والے جھگڑوں میں فاسق افراد کی جانب رجوع کرنے سے منع کیا ہے۔

---

۱۔ الارشاد ص: ۳۸۱ ۲۔ تحف العقول ص: ۱۶۸

**" قال ایاکم اذا وقعت بینکم خصومة اوتداری بینکم فی شئ من الاخذ والعطاء ان تتحاکموا الی احد من ھؤلاء الفساق۔ "** [۱]

جب تمہارے درمیان کوئی جھگڑا سر اٹھائے یا لین دین کے سلسلہ میں کوئی مسئلہ پیش ہو تو ایسی صورتحال میں ان فاسق لوگوں کی جانب رجوع کرنے سے بچو۔

## ☆ اہلیت بنیادی رکن ہے۔

مسلمانوں کے حاکم اور ولی کو چاہیئے کہ وہ لیاقت اور اہلیت رکھتا ہو۔ معاملات و مسائل کے سلسلہ میں صاحب رائے اور بابصیرت ہو۔ تاکہ عادلانہ نظام برقرار رکھا جاسکے اور ملک کی سالمیت کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھ سکے۔ بہادر اور دل کا مضبوط ہو، تاکہ دین کے دشمنوں کے مقابلے میں داخلی اور خارجی طور پر استقامت رکھتا ہو۔

کیونکہ احکامِ خدا کا جاری کرنا اسلام کے عادلانہ نظام کو برقرار رکھنا، ظالم سے مظلوم کے حقوق حاصل کرنا مجموعی دولت کو صحیح اور قانونی مقامات پر خرچ کرنا اور اس جیسے دوسرے بہت سے فریضوں کی انجام دہی وہ اصل مقصد اور غرض و غایت ہے جس کی خاطر منصبِ حکومت کو کسی ایک شخص یا گروہ کے لیئے

---

۱۔ تہذیب ج : ۶ ، ص : ۳۰۳

مخصوص قرار دیا گیا ہے۔ بالکل ہی اسی طرح جس طرح حضرت علی علیہ السلام نے خطبہ شقشقیہ اور امام حسین علیہ السلام نے تحف العقول کی حدیث میں اس اس بات کی وضاحت کی ہے۔

اس بنیاد پر حاکم کو چاہیئے کہ ان خصلتوں اور صفتوں کا حامل ہو جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے تاکہ اس کا مقصد اور مہم باخیر و خوبی انجام پائے۔

بلکہ خبروں اور روایات سے معلوم ہوا کہ جو شخص سب سے زیادہ صلاحیتوں کا حامل اور لائق نیز مشکلات اور تکلیفوں کے سلسلے میں جتنا زیادہ ثابت قدم ہوگا اُس کو اسلامی حکومت کے سلسلہ میں اس قدر فوقیت دی جائے گی۔

حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"ان احق الناس بھذا الامر اقومھم علیہ۔"[1]

اس سلسلے میں سب سے زیادہ اہل شخص وہی ہے جو سب سے زیادہ استقامت رکھتا ہو۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔

"من استعمل عاملا من المسلمین وھو یعلم ان فیھم من ھو اولی بذلک منہ واعلم بکتاب اللہ وسنۃ نبیہ فقد خان اللہ ورسولہ وجمیع المسلمین۔"

---

[1] ۔ نہج البلاغہ خطبہ: ۱۷۳

اگر کوئی حاکم ایسی صورتحال میں مسلمانوں کے مابین مملکت کے امورانجام دے اور اس کو یہ معلوم ہو کہ اس سے زیادہ اہل اور دانش مند لوگ مسلم معاشرے میں موجود ہوں تو اس شخص نے خدا، پیغمبروں اور تمام مسلمانوں سے خیانت کی۔

گویا ان روایات اور مثالوں کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حکومت کا عہدہ اور مملکت کا نظم ونسق چلانے سے متعلق تمام مناصب امانت ہیں اور خداوند عالم کا حکم ہے کہ امانت کو اس کے اہل تک پہنچاؤ اور اگر کسی غیر اہل شخص کو امانت دو گے تو وہ خیانت ہوگی اور چونکہ یہ امانت ایک طرف تو خدا اور پیغمبروں سے منسوب ہے اور دوسری جانب اس کا تعلق مسلمانوں سے بھی ہے کیونکہ اس کا نفع مسلمانوں سے متعلق ہے لہذا یہ منصب اگر کسی نا اہل شخص کو مل گیا تو یہ سب کے ساتھ خیانت ہوگی۔

دراصل یہ روایت گورنر کے تعین کے سلسلے میں ہے لیکن اس سے بلند تر مقام کا حکم بھی واضح ہو جاتا ہے۔

رسول گرامیؐ سے نقل کیا گیا ہے کہ:

”من تقدم علی قوم فی المسلمین وھویری ان فیھم من ھوا فضل منہ فقد خان اللہ ورسولہ والمسلمین۔“

"اگر کوئی ایسا شخص مسلمانوں کے کسی گروہ کا پیشوا بن جائے جو یہ جانتا ہو کہ مسلمانوں کے درمیان اس سے زیادہ بلند مرتبہ اور عالم شخص موجود ہے تو وہ اللہ و رسولؐ اور مسلمانوں کا خائن ہے"۔

حضرت امیر علیہ السلام سے نقل کیا گیا ہے کہ:

گورنر اور حاکم کی حاکمیت کے لیے علم و لیاقت و اھلیت اور امانت داری کے علاوہ اور کوئی دوسری چیز نہیں ہے اور دوسری روایت سے بھی اس بات کو وضاحت ہو جاتی ہے جس کو اختصار کی خاطر بیان کرنے سے گریز کیا جا رہا ہے۔

## ☆ حاکم کو منصب کیلئے لالچی نہیں ہونا چاہیے۔

حاکم اور ولی کو چاہیے کہ اسکی کوشش احکامِ خدا کو جاری کرنے مسلمانوں کو برقرار رکھنے اور عادلانہ نظام رائج کرنے کے سلسلے میں ہو، نہ کہ یہ کوشش کسی منصب منصب، مقام اور علاقے کے حصول کے لئے ہو بالکل اسی طرح جسطرح حضرت امیر علیہ السلام نے خطبہ شقشقیہ میں ارشاد فرمایا ہے :

" میری نظر میں اس دنیاوی مقام کی حیثیت بکری کی ناک سے نکلنے والی رطوبت سے بھی کمتر ہے"۔

یا جیسا کہ سید الشہداء امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ بذات خود مقام کوئی حیثیت نہیں رکھتا لیکن اس کے حصول کیلیے میں اس لئے کوشش کر رہا ہوں تا کہ دین محفوظ ہو جائے اور اسلام کے قانون جاری ہوں اور مسلمان امن و امان کی زندگی بسر کرنے لگیں۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''اما واللہ لانولی ھذا العمل احدا سألہ او احد حرص علیہ۔''

''واللہ جہاں تک اس منصب کا تعلق ہے تو یہ کسی ایسے فرد کیلئے ہرگز نہیں ہے جو خود اس کا طلبگار ہو یا اس کی حرص رکھتا ہو۔''

حضرت امیر علیہ السلام نے عبداللہ بن عباس کے اس خط کے جواب کے طور پر جس میں انہوں نے بصرہ اور کوفہ کی گورنری کے سلسلے میں طلحہ اور زبیر کی سفارش کی تھی فرمایا:

''ویحک ان العراقیین بھما الرجال و الاموال ومتی تملکا رقاب الناس یستمیلا السفیہ بطمع ،یفربا الضیعف بالبلاء ویقویا علی القوی بالسلطان ولوکنتُ مستعملا احد الضرۃ ونفعہ لا ستعملت معاویۃ علی ولولا من حرمھما علی الولایۃ لکان لی فیھا والی۔''

ترجمہ:

وائے ہو تم پر کہ! کوفہ و بصرہ میں مسلمان لوگ اور اُن کے مال موجود ہیں اور ایسے موقع پر اگر ان دونوں کو گورنر بنادیا گیا تو وہ نادان لوگوں کو پیسہ کے ذریعہ خرید لیں گے اور ناتوانوں کو قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا کر کے خاموش کر دیں گے اور قوی لوگوں کو اپنی طاقت کی قدرت سے اپنا محکوم بنالیں گے۔

میں نے اگر منصب گورنری کی بنیاد آزار دینے اور پیسے کو بنایا ہوتا تو میں معاویہ کو شام کا گورنر بنا دیتا اور تمام دولت میری طرف آجاتی۔ ہاں اگر اس منصب کے لیئے یہ لوگ لالچ سے کام نہ لیتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ گورنری اور ولایت ان کو نہ ملتی۔

# فہرست مصادر


۱۔ قرآن حکیم۔

۲۔ آداب السلطانیہ/علی فخری/مصر۔

۳۔ الاحتجاج/طبرسی/ابی منصور احمد بن علی بن ابی طالب طبرسی/انتشارات اسوہ/تہران/۱۴۱۶ ہجری۔

۴۔ اصول کافی/ابی جعفر محمد بن یعقوب کلینی رازی/دار التعارف/بیروت/۱۴۰۱ ہجری قمری۔

۵۔ تحف العقول عن آل الرسول/ابی محمد حسن بن علی بن حسین شعبہ الحرانی/موسسہ الاعلمی/بیروت لبنان /۱۳۹۳ ہجری قمری۔

۶۔ تہذیب الاحکام فی شرح المقنعہ/شیخ الطائفہ ابی جعفر محمد بن حسن الطوسی/دار التعارف/بیروت/۱۴۰۱ ہجری قمری۔

۷۔ جمہور / افلاطون / ترجمہ : فؤاد روحانی / انتشارات علمی فرہنگی / تہران / ۱۳۶۸ ہجری شمسی۔

۸۔ السیاسۃ/ارسطو/ترجمہ: احمد رضی/تہران۔

۹۔ علل الشرائع /ابی جعفر محمد بن علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ، شیخ صدوق قمی/داراحیاء التراث العربی/بیروت /۱۳۸۵ ہجری قمری۔

۱۰۔ علل الشرائع / ابی جعفر محمد بن علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ، شیخ صدوق قمی / ترجمہ: مولوی سید حسن امداد صاحب / الکساء پبلشرز / کراچی / ۱۴۱۳ ہجری قمری۔

۱۱۔ عوائد الایام / احمد بن محمد مہدی بن علی بن ابی رز / مکتبہ بصیرتی / قم

۱۲۔ عیون اخبار الرضا (ع) / ابی جعفر محمد بن علی بن بابویہ قمی شیخ صدوق / انتشارات جہان / تہران۔

۱۳۔ کردار کی روشنی / آیۃ اللہ السید حسین مرتضیٰ / امامیہ پبلیکیشنز لاہور پاکستان۔

۱۴۔ کمال الدین وتمام النعمہ / ابی جعفر محمد بن علی شیخ صدوق / موسستہ الاعلمی للمطبوعات / بیروت / لبنان / ۱۴۱۲ ہجری قمری۔

۱۵۔ لسان العرب / علامہ ابن منظور، محمد بن مکرم بن علی / تحقیق: علی شیری / دار الاحیاء التراث العربی / ۱۴۰۸ ہجری قمری۔

۱۶۔ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد / نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی / دار الکتاب العربی / بیروت / ۱۴۰۲ ہجری قمری۔

۱۷۔ المحاسن / شیخ ابی جعفر احمد بن محمد بن خالد برقی / تحقیق: سید محمد صادق بحر العلوم / مطبعۃ الحیدریۃ مکتبجا / نجف الاشرف / ۱۳۸۴ ہجری قمری۔

۱۸۔ میراث انبیاء / سید مجتبیٰ حسین شمس آبادی / دانشگاہ اسلامی کراچی

پاکستان۔

۱۹۔ مسند الامام الرضا علیہ السلام/ شیخ عزیز اللہ عطاردی خبوشانی/ المؤتمر العالمی للامام الرضا علیہ السلام/ مشہد/ ۱۴۰۶ ہجری قمری۔

۲۰۔ معانی الاخبار/ ابی جعفر محمد ابن علی، شیخ صدوق/ جامعۃ المدرسین/ قم/ ۱۳۷۹ ہجری قمری۔

۲۱۔ مقدمہ ابن خلدون/ رئیس المورخین علامہ عبدالرحمن ابن خلدون/ ترجمہ: مولانا راغب رحمانی/ نفیس اکیڈمی کراچی۔

۲۲۔ من لایحضرہ الفقیہ/ شیخ ابی جعفر محمد بن علی بن حسین بن بابویہ قمی، شیخ صدوق / جامعۃ المدرسین/ قم۔

۲۳۔ نظام الحکم والادارہ فی الاسلام/ شیخ محمد مہدی شمس الدین/ موسسۃ الجامعۃ للدراسات والنشر والتوزیع/ بیروت/ ۱۴۱۱ ہجری قمری۔

۲۴۔ نہج البلاغہ/ سید رضی/ موسسۃ النشر الاسلامی/ قم/ ۱۴۰۸ ہجری قمری۔

۲۵۔ نہج البلاغہ/ سید رضی/ شرح ابن ابی الحدید/ تحقیق: محمد ابوالفضل ابراہیم/ دار احیاء الکتب العربی/ مصر/ ۱۳۸۵ ہجری قمری۔

۲۶۔ ولایت فقیہ/ آیۃ اللہ شیخ محمد ہادی معرفت/ چاپ اول تابستان ۱۳۷۷ ہجری شمسی۔

# فہرست مضامین